https://doi.org/10.58352/tis.v47i2.900

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi

الثقافۃ الاسلامیۃ

ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

بین المسالک اتحاد و ہم آہنگی، مذاہب کے درمیان تعلقات میں مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے کردار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

A RESEARCH AND CRITICAL REVIEW OF THE ROLE OF MOSQUES, MADRASAS AND MONASTERIES IN INTER-RELIGIOUS UNITY AND HARMONY

M. Abdul Mutaali Nouman
Ph.D Scholar Department of Uloom e Islami
Federal Urdu University Abdul Haq Campus Karachi.
mamnouman194@gmail.com

Mubashira
Ph.D Scholar Department of Uloom e Islami
Federal Urdu University Abdul Haq Campus Karachi

Abstract

Islam is a religion of tolerance, peace, security and respect for humanity. In this religion, the Islamic nation has taught brotherhood, collectivity and unity in the struggle for unity. Thanks to Islamic teachings, all believers are praying for peace and security for each other on the basis of brotherhood. Everyone should have all basic rights regardless of religion and nationality. In spite of the differences of opinion, not all Muslims are the manifestation of unity and national unity, but the people of responsibility, i.e. the non-Muslim residents of the Islamic state, also deserve all the basic human rights and respect, just as the Muslim residents of the Islamic state deserve the mosques, madrasas and monasteries of Islamic teachings in the Islamic society. There is a spokesperson It promises tolerance and peace and security for different classes of Islamic society, different sects and even different religions. Islamic teachings show that the role of these institutions in an Islamic state is of key and fundamental importance. And the main need for the revival of this role of monasteries today is that mosques, schools and monasteries are an effective means of unity and unity for different classes of Muslims of different sects and sects. And tolerance towards them is an effective means of peaceful relations based on respect and humanity. In the present research article, there is a discussion about the all-round and all-round role of mosques, schools and monasteries, which proves that these institutions of Islamic society are an effective source of peaceful relations with inter-religious, unity, brotherhood and community and other non-Muslim religions. Cannot be denied.

Keywords: *Islam, brotherhood, Unity, inter-religious.*

تمہید و تعارف: اسلام رواداری، امن سلامتی اور احترامِ انسانیت کا دین ہے اس دین میں ملت اسلامیہ کو وحدت کی لڑی میں پرو کر اخوت و اجتماعیت اور وحدت کا درس دیا اسلامی تعلیماتِ کی بدولت تمام اہلِ ایمان اخوت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے لیے امن و سلامتی کے داعی ہیں بنیاد طور پر اسلامی معاشرہ اس بات کا ضامن ہے کہ معاشرے کہ ہر فرد کو بلا تفریقِ مذہب و ملت تمام بنیاد حقوق حاصل یعنی اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندے بھی تمام بنیادی انسانی حقوق اور احترام کے اسی طرح مستحق ہیں جس طرح اسلامی ریاست کے مسلم باشندے اسلامی معاشرے میں مساجد، مدارس اور خانقاہیں اسلامی تعلیمات کی ترجمان ہے اسلامی تعلیمات سے پتہ چلتاہے کہ ایک اسلامی ریاست میں ان اداروں کا کردار کلیدی اور بنیاد اہمیت کا حامل ہے چناں چہ، دورِ جدید اور عصرِ حاضر میں مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے اس کردار کے احیاء کی آج بنیادی ضرورت ہے مساجد، مدارس اور خانقاہیں مسلمانوں کے مختلف طبقات مختلف مسالک اور فرقوں کے لئے اتحاد واتفاق اخوت واجتماعیت وحدت ویگانگت کا مؤثر ذریعہ اسلامی معاشرے میں رواداری اور امن وسلامتی کی حقیقی ضامن اور خود مختلف مذاہب کے لئے امن وسلامتی کی ضامن اوران سے رواداری، احترامِ انسانیت پر مبنی پُرامن تعلقات کا مؤثر ذریعہ ہے۔

پیشِ نظر تحقیقی مضمون میں مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے اسی ہمہ گیر اور ہمہ جہت کردار کے متعلق بحث کی گئی ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی معاشرے کے یہ ادارے بین المسالک ،اتحادواتفاق ،اخوت واجتماعیت کا سرچشمہ اوردیگر غیر مسلم مذاہب سے پُرامن تعلقات کا مؤثر ذریعہ ہے جس کی عصر معنویت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی معاشرے میں بین المسالک، اتحادو تفاق، اخوت واجتماعیت
اور دیگر غیر مسلم مذاہب سے رواداری پر مبنی پُرامن تعلقات کی ضرورت واہمیت:

اسلام ایک مکمل نظام اور ابدی ضابطۂ حیات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام وحدت نسل انسانی اور وحدتِ امت کا بھی داعی ہے۔ قرآن وسنت کی آفاقی تعلیمات اور عالم انسانیت کی بنیاد کسی لون، ذات، علاقہ یا لسانیت پر نہیں کیونکہ یہ ایک نظریہ وپیغام پر ہیں اور یہی وہ امت واحدہ کا نظریہ ہے جس پر دائمی امن کی عمارت کی بنیاد رکھا جاسکتا ہے۔

دین اسلام آشتی امن وامان، تکریم آدمیت اور بھائی چارگی کا مذہب ہے۔ برابری و تحمل وبرداشت، مخلوق کی خدمت، باہمی خیر خواہی، قربانی و کرم، اور حلم و تحمل اُخوت واتحاد ہی کی شاخیں ہیں۔ یہی دینِ فطرت ہے جو سماج کے دیگر طبقات مابین عداوت، تعصب، ودیگر مذمومہ چیزوں کے آپس کے تصادم کو ہر طرح سے سختی کے ساتھ بھرپور تدارک کرتا ہے۔ اس کے برعکس وہ ہر طبقے کے حقوق مقرر کرتا ہے اور ان کو حقوق العباد کا نام دے کر نجاتِ اُخروی کو ان کے پورا کرنے سے مشروط کرتا ہے اور جو ساتھ ہی واضح کرتا ہے۔ ایسے ہی معاشرے کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ اسلام کا "دستورِ اساسی" قرآنِ مجید جہاں یہ اعلان کرتا ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ (۱) ترجمہ: "یعنی درحقیقت دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

وہاں یہ بھی واضح کر دیا ہے: لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ (۲) ترجمہ: یعنی دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

اسی حکم خداوندی کے پیش نظر مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی وہ تمام بنیادی حقوق عطاء کئے گئے جو قرآن پاک نے متعین کئے ہیں، مثلاً جان ومال کا تحفظ، عزت وآبرو کا تحفظ، نجی زندگی کا تحفظ، عقیدہ کی آزادی کا حق، عبادت گاہوں کا تحفظ وغیرہ۔ یوں فساد اور نفرت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نیز اسلامی عبادات کا اصل مقصد بھی اجتماعیت پر مبنی مثالی معاشرہ کا قیام ہے، جو ہر قسم کی نفرت اور تعصّبات سے پاک ہو اور وحدت اسلامی فضاء کو قائم کرے، ہمیں یہ خصوصیات تمام ارکانِ اسلام میں نظر آئیں گی۔ اگر ہم بہ نظر غائر جائزہ لیں تو چند بنیادی عناصر ہیں جو کل نوع انسانی کی یکجہتی اور ملت اسلامیہ کا اتحاد و اتفاق کی فضا کو منتشر کرنے کا سبب بنتے ہیں، یعنی نسلی تمیز و تفاخر، علاقائی و گروہی حد بندیاں، لسانی کش مکش اور مذہبی منافرت، مگر اسلام رنگ ونسل اور لسانی و گروہی تعصبات کی جڑ کاٹتا ہے، اور ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر قائم ہو۔

یعنی اس تقسیم کی وجہ شرف نہیں، بلکہ انسانی نسلوں کا تعارف اور شناخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بلندی کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ اور توحید کا اعلان دراصل یک رنگی کا اعتراف ہے۔ اس لئے بحیثیت مسلمان ہماری نظروں میں ہر قسم کی بد نظمی و انتشار اور پوری نوع انسانی میں اتحاد و اتفاق کا فروغ ہمارا مقصود ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور داعی اسلام ﷺ تمام مذاہب کو ایک پر امن اور فتنہ وفساد سے پاک فضاء قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

(لوگو! یہودیوں وعیسائیوں کو) کہو: اے کتاب والو! ایک ایسی بات کیجانب آؤ (جو) ہم تم میں یکساں ہو، (وہ یہ) تم اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہ

پوجو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اللہ کو چھوڑ کر تم کسی کو رب نہ بناؤ۔ پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو کہو: گواہ رہو ہم مسلماں ہیں۔(۳)

یعنی آؤ اس کلمہ واحد پر اور مشترک عقیدے جس پہ ہمیں کوئی شک وشبہ نہیں۔ امت میں یک جہتی اور اتحاد واتفاق کی فضاء قائم کرنے کے لئے داعی اسلام ﷺ نے اپنے پاکیزہ اسوہ حسنہ سے ان عناصر کی بیخ کنی کی ہے، جو امت کا شیر ازہ منتشر کرنا چاہتے ہیں۔

فرما کر آپ ﷺ نے امت کے افراد کو ایک تسبیح کے دانوں کی طرح یک جا کر دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر، نہ گورے کو کالا پر، نہ کالا کو سرخ پر کوئی فوقیت نہیں، تم سب لوگ آدمؑ کی آل ہیں اور آدمؑ کو مٹی بنایا گیا ہے۔(۴)

رحمت دو عالم ﷺ نے یہ انقلاب آفریں پیغام سنا کر رنگ ونسل کے تمام تفاخر کو خاک میں ملا دیا۔ اسی طرح حبشہ کے رہنے والے سیاہ فام غلام حضرت بلال τ اور فارس سے تشریف لانے والے سلمان کو سینہ نبوّت سے لگا کر علاقائی بنیادوں پر پیدا ہونے والے امتیازات کو فلسفہ اسلام سے یک سر خارج کر دیا۔(۵)

اس آفاقی پیغام (وحدت امت) کے ہی اثرات تھے کہ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات کا عظیم رشتہ قائم ہوا، جس کی نظر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی، اتحاد واتفاق اور ملی یکجہتی کا یہی فلسفہ تھا کہ محمد بن قاسمؒ ایک عورت کی پکار پر سندھ میں اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے بیت المقدس جا پہنچے، اور اللہ رب العزت نے انہیں فتح مبین سے نوازا۔ خاتم النبیین ﷺ نے امت میں یکجہتی اور اتحاد واتفاق کے فروغ اور ہر قسم کے انتشار کے خاتمے کے لئے متعدد بار ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مومن کی مثال محبت، رحمت اور عاطفت کے حوالے سے ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ تکلیف محسوس کرتا ہے تو تمام جسم رات بھر جاگنے درد سہنے اور بخار میں مبتلا رہنے میں اس کا ساتھ دیتا ہے"۔(۶)

حقیقت میں مومن وہ ہے جو اپنے دل میں پوری انسانیت کا درد اور غم رکھتا ہو۔"مومن، دوسرے مومن کے لئے یوں ہے جیسے ایک مضبوط دیوار کہ ہر پتھر ایک دوسرے کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر مضبوط جال بنایا۔

مسلمان آپس میں اخ ہے وہ نہیں کرتا اس پر ظلم نہ ہی اس کو بے سہارا رہنے دیتا ہے شخص بھائی کی حاجت میں (مددگار یا ساتھی) ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں اس کا (مددگار) ہوگا اور جس نے کسی مسلم کی دکھ درد، دور کر دی تو رب کریم آخرت کے روز اس کے مصائب میں سے مصیبت دور کر دے گا اور جس نے کسی مومن کی تو خدا قیامت روز پردہ فرمائے گا۔(۹

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃ (۱۰) بیشک تمام مومن بھائی ہی ہیں۔

حضورؐ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے: "وہ سماجی خرابیوں میں مبتلا ہو کر آپس کے معاملات کو خراب کرنے کی بجائے باہمی رشتہ واخوت کو تقویت دیں۔

مومن کی شان یہ ہونا چاہئے وہ دوسروں کے ساتھ الفت ومحبت کرتا ہے اور دوسروے اس سے الفت محبت کرتے ہیں۔(۱۱)

اس امت کی ایک خصوصیت ہے کہ یہ مجموعی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوگی۔ اس میں معروف افراد اور گروہ تو پیدا ہوتے رہیں گے، لیکن ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہدایت ربانی ضائع ہو جائے اور امت بالجملہ گمراہ ہو جائے۔ ان میں ہمیشہ ایسے افراد اور گروہ رہیں گے جو حق پر قائم ہونگے اور حق کا پرچار کریں گے۔ حضورؐ نے: ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ فاذا رایتم الاختلاف فعلیکم بالسواداہ عظم۔(۱۲)

بلاشبہ میری امت گمراہی پر بھی مجتمع نہ ہوگی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کے ساتھ ہو۔

تاریخ تمدّن گواہ ہیں کہ اس ملت کا سوادِ اعفم ہمیشہ ایک ملت رہا ہے۔

الغرض تعلیمات نبوی نوعِ انسانی کو مقام اشرف المخلوقات پر فائز کرتا ہے اور محمدؐ کے زبان حق کے ذریعہ درج ذیل الفاظ ادا ہوئے:

خیر القرون قرنی ثمہ الذین یلونـہم ثمہ الذین یلونـہم۔۔بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد والوں کا اور پھر اس کے بعد والوں کا۔

لاریب بہترین انسانی معاشرہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ψ کے دور میں قائم ہوا۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا چلا گیا اس انتہائی معاشرتی ترقی کے گراف میں کمی واقع ہوتی گئی، لیکن ہر دور میں رسول اللہ ﷺ کے نام لیواؤں نے اپنے عمل وکردار کے ذریعے قابل قدر روشن مثالیں قائم کیں۔ خلفائے راشدین ψ کا زمانہ تو خیر القرون اور منہاج نبوت کے عین مطابق تھا، اس کے بعد جب ملوکیت قائم ہوئی اور بادشاہوں نے اپنی سج دھج برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اصولوں کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تو علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے انسانی دوستی، باہمی اتحاد و

اتفاق اور رواداری کا علم بلند کیا اور دنیا میں ہر قسم کے تعصب کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔(۱۳)
اور آج وقت کا تقاضہ ہے کہ اتحاد و اتفاق، رواداری، مساوات اور احترام آدمیت پر مبنی مثالی معاشرے کے قیام کے لئے مسجد و مدارس اور خانقاہیں اور امام بار گاہ اپنا تاریخی اور ذمہ دارانہ کردار ادا کریں۔ کیونکہ آج عالم اسلام کو درپیش کئی چیلنجز میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ "افراق و اختلافِ امت" ہے۔ اور نااتفاقی و انتشار اور ملی یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کے جوہر سے محرومی کا شافی علاج "وحدتِ ملت اسلامیہ کے نسخۂ کیمیا" سے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں موضوع کی ضرورت و اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔
دین اسلام چونکہ ایک اجتماعی نظام کا نام ہے، جو زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ لہٰذا یہی وہ رشتہ ہے جو منتشر افراد کو ایک اجتماع کی صورت دے کر انہیں ملت یا امت بناتا ہے۔ اس اجتماعیت کا اتحاد و اتفاق کے بغیر تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ اتحاد اور نظم وضبط آئین و قانون کا بھی پابند ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کی پوری زندگی خواہ وہ معاشرتی ہو یا معاشی، سماجی ہو یا سیاسی اسے قرآن و سنت کی جو کہ امت مسلمہ کا آئین و دستور اور ابدی ضابطہ ءحیات ہے کہ قوانین کی روشنی میں منظم کیا ہے، اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔(۱۴) حکم ربانی ہوتا ہے:
(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ) ۚ (۱۵)
ایمان والو! اللہ کے تابعدار رہو اور اس کے پیارے حبیب ؐ کی اطاعت کرو اور آپ میں سے وہ لوگ جو اختیار والے ہوں ساتھ میں ان کی بات بھی مانو۔
اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی اور سمع و طاعت (یعنی امیر کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے) کی وصیت کرتا ہوں، اگر چہ تم پر کوئی (حبشی) غلام امیر مقرر ہو جائے۔(۱۶)
اتحاد و اتفاق کی اہمیت کا اندازہ نبی کریمؐ کی فرمان کے مطابق لگایا جاسکتا آپؐ نے یہ ہدایت کی ہے کہ: "جب تین آدمی کسی سفر میں نکلیں تو وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں۔۱۷
(کسی کو امیر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ہدایت اور اطاعت میں سفر کیا جائے، کیونکہ امیر اور سربرہ کے بغیر یکجہتی، نظم وضبط وجود میں نہیں آسکتا اور اتحاد و اتفاق کے بغیر زندگی بس افراتفری اور پراگندہ حالی کا نام ہے) اور یہی نظم وضبط اور اتحاد جب اسلامی معاشرے کا حصہ بنتا ہے تو وہ صالح جماعت وجود میں آتی ہے، جیسے پروردگارِ عالم نے منظم سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے مشابہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔
كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔(۱۸) اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔
اسی طرح سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا ہے:
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ ۚ (۱۹) رسی خدا کو تمام مل کر زبردستی سے پکڑو، اپنے درمیان تفرقہ مت پھیلاؤ۔
عہد نبوی ﷺ، دور خلافت راشدہ اور اسلامی تاریخ کے دیگر سنہری ادوار نہ صرف مثالی نظم ونسق اور اتحاد بلکہ ماڈل اسلامی فلاحی معاشرے و ریاست کے نظائر میں تاریخ کا روشن ترین باب ہیں۔ تعلیمات نبوی ﷺ ہمیں ملی وحدت اور اتحاد و اتفاق کا درس دیتی ہے۔ اسی لئے بحیثیت ایک سربراہ قوم، عام شہری اور ملازم کے ہم پر اس کی پابندی لازم ہے۔ مسلمان کا شاندار ماضی اور عروج، اتحاد، یقین اور نظم وضبط کا بہترین مظہر ہے۔ یہ اجتماعیت اور ڈسلپن اور اتحاد کا کرشمہ تھا کہ مسلمان قلت تعداد کے باوجود بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر کرتے چلے گئے، اور دنیا کے نصف سے زائد حصے پر حکومت کی۔ آج ملک و ملت کے استحکام اور ترقی و کامرانی کے مدارج طے کرنے کے لئے اخوّت اور اتفاق کا قیام نہایت ضروری ہے۔ آج بلاد اسلامیہ اور ملک و ملت کی موجودہ صورتحال ہم سے زندگی کے ہر شعبے میں احساسِ ذمہ داری و فاشعاری، دیانت داری اور فرض شناسی کا تقاضہ کر رہی ہے کہ ہم اپنے عزمِ مصمم اور قوت عمل سے ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں بھرپور کردار ادا کریں، تاکہ ملک و ملت اور بلادِ اسلامیہ ترقی یافتہ اقوام میں ایک منفرد مقام حاصل کر سکیں، اور کسی دشمن، مخالف قوم اور اغیار کے ہاتھوں ہمارے مقاصد سبوتاژ نہ ہو سکیں، اور اسی میں ہماری ذاتی اور قومی بقاء کا راز مضمر ہے۔

مسالک کے مابین اتحاد واتفاق اور بین المذاہب تعلقات:

حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے تئیس سالہ نبوی دور میں جو انقلابِ عظیم برپا کیا تھا، اُس نے پورے کے پورے انسان اور انسانی معاشرہ کو اندر اور باہر سے بدل دیا اور صبغت اللہ کیا یک لون عبادت گاہ تا بازار، درسگاہ سے عدالتِ عالیہ تلک جبکہ گھروں سے لے کر تامیدانِ حرب چھا گیا۔ا

ذہان تبدیل ہو چکے، خیالات کا رو بدل گیا، زاویہ نگاہ بدل گیا، طبیعت و مزاج اور طور و طریقے چینج ہو گئے، رسم رواج بدل گئے، حقوق العباد و اسلامی بنیادی ذمہ داریاں کی تقسیم میں بدل گئیں، خیر و شر کے معاملات اور حرام کے پیمانے بدل گئے، اخلاقی قدریں بدل گئیں، اصول و قانون بدل گیا، جدل و معاہدے کی اسالیب تبدیل ہو گئے، معیشت وازواج کا طریقہ اور تمدّن کے ایک ایک ادارہ اور ایک ایک شعبے کا کایا پلٹ گیا۔ اس تمام تر تبدیلی میں جن کا دائرہ عالم گیر ہے، ایک کونے سے دوسرے جانب تک خیر اور فلاح کے علاوہ اور کچھ نہیں بنتا، کوئی حصے میں برائی نہیں، کہیں بد نظمی نہیں، کسی جانب بگاڑ نہیں، ہر طرف بناؤ ہی بناؤ، تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء ہے، در حقیقت محسنِ انسانیت ﷺ کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی۔ اور حضور ﷺ نے ایک باقاعدہ نظامِ زندگی کی تہذیب کو منور کر کے کثیر الجہتی دورِ تاریخ کا آغاز فرمایا، یہ اتنا بڑا انقلاب اور کارنامہ ہے کہ اس کی مثال کسی دُوسری جگہ نہیں ملتی"۔(۲۰)

رسولِ اکرم ﷺ کا طرزِ حکمرانی۔ اسلامی فلاحی معاشرے کی تشکیل کیلئے بہترین نمونہ عمل

مدینہ منورہ میں ریاست و حکومت کی بنیاد رحمت العالمین ﷺ نے رکھی اور اس کا قیام و استحکام میں مزید اضافہ اور دوام آنحضرت ﷺ کے ان تلامذہ اور پیروؤں کے ہاتھوں ہوا، جنہوں نے پہلی اور دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں حبشہ کی طرف ہجرت کی اور اس کے بعد مدینہ کی جانب رجوع کیا۔ نیز اس میں ان انصار کا بھی حصہ تھا، جنہوں نے مکہ کی گھاٹی میں آنحضرت ﷺ سے پہلے اور دوسری مرتبہ بیعت کی۔ یہی وہ امّت کے مقدّس بیج ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے سرزمین مدینہ میں بویا تھا۔ انہی کے ہاتھوں دولت اسلامیہ قائم و مستحکم ہوئی۔(۲۱)

خلفائے راشدین [نے حسن نظم، اپنے کردار اور خدمت دین و مسلمین کے ذریعے اُمت کا اعتماد حاصل کیا اور اتحاد و اتفاق پر مشتمل ایک مثالی اسلامی سوسائٹی کی تشکیل اور اسلامی ریاست کا قیام یقینی بنایا۔ اُس دور کی جو بھی خوبیاں نظر آتی ہیں ان کے فروغ میں انسانیت کے انہی بہترین انسانوں کا بڑا دخل ہے۔ خلافت راشدہ کا مزاج اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دین کے بے لوث خادم اس نظام کو چلائیں، جب ہی وہ کامیاب ہوسکتے ہیں اور جب یہ نظام قائم ہو جاتا ہے تو زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتیں برسانے لگتا ہے اور دنیا خیر و صلاح سے بھر جاتی ہے۔ جس کا بین ثبوت خلفائے راشدین ؓ کا عہد زریں ہے۔(۲۲)

اتحاد و اتفاق، ہم آہنگی اور بین المذاہب وسیع تر تعلقات پر مبنی اسلامی معاشرے کی تشکیل۔ قرآنِ کریم کی روشنی میں:

ان مشرکوں میں سے نہ بنو جنہوں نے اپنے دین کو فرقہ بندی میں مبتلا کیا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔(۲۳) مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیرنا کوئی (بڑی) نیکی نہیں۔(۲۴) اصل نیکی اللہ، یوم آخر، ملائکہ، کتب سماوی، انبیاء o پر ایمان لانا اور اللہ کی محبت میں عزیزوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں، غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے مال خرچ کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، ایفائے عہد اور تنگی و تکلیف میں صبر سے کام لینا ہے۔(۲۵) اللہ کے ان احسان کو یاد کرو کہ تم باہم دشمن تھے، اللہ نے بھائی بھائی بنا دیا، تم آگ کے کنارے پر تھے، اس سے بچا لیا۔(۲۷) اللہ نے اس بات کی تمام اہل دین کو تلقین کی کہ دین کو قائم کریں اور اس کے بارے میں باہم تفرقہ میں نہ پڑیں۔(۲۸) باہم جھگڑے نہ کرو، ورنہ ہوا اکھڑ جائے گی اور بزدل ہو جاؤ گے۔(۲۹) اللہ نے ان میں باہم الفت ڈال دی، تم اگر دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر لیتے تو انہیں متحد نہ کر پاتے۔(۳۰) تمام ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔(۳۱) بالفرض دو مسلمانوں جھگڑا کرے تو ان میں صلح کرا دو۔(۳۲) اگر ان میں ایک زیادتی پر اُتر آئے تو پھر اسے قوت سے راہ راست پر لاؤ۔(۳۳) پیغمبر کے ساتھی کفار کے مقابلہ میں سخت مگر باہم رحم دل ہیں۔(۳۴) ان مشرکوں میں سے نہ بنو جنہوں نے دین میں پھوٹ ڈالی اور کئی جتھے بن گئے۔(۳۵) جن لوگوں نے دین میں فرقہ بندی کی اور کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔(۳۶) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن میں باہم پھوٹ پڑ گئی اور واضح احکام کے باوجود جنہوں نے باہم اختلاف کیا۔(۳۷) کافر اگر توبہ کر کے نماز، روزہ کی پابندی اختیار کر لیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔(۳۸)

مساوات اور اتحاد و اتفاق پر مبنی مثالی اسلامی معاشرہ: عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافتِ راشدہؓ سے چند نظائر:

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے ہر قسم کے تفاخر اور تعصّبات کا خاتمہ کر کے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس کی بنیاد تقویٰ، رواداری اور مساوات پر تھی۔ مختلف قبیلوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد اپنے تمام تعصبات کو چھوڑ کر اس منفرد معاشرتی مرکز مدینۃ الرسول کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، جہاں نہ ان کا کوئی رشتہ دار تھا، نہ کوئی کاروبار تھا، اور نہ ہی روٹی روزی کا کوئی سامان۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، خباب بن الارتؓ، حذیفہ بن الیمان ؓ اور ان جیسے بیسیوں لوگ رنگ و نسل اور علاقائی تعصب کو قربان کر کے صفّہ میں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ وہ بھوکے پیاسے اور زندگی کی تمام سہولیات سے محروم ہونے کے باوجود شاداں و فرحاں تھے، کہ سب کچھ چھن گیا

تو کیا ہوا، رسول اللہ ﷺ کا قرب تو نصیب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انکا خصوصی ذکر قرآن مجید میں فرمایا۔(۳۹) اور رسول اللہ ﷺ بھی سب سے زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر سیدنا علی τ کی تحریک پر سیدہ فاطمہ الزہرہ ρ نے ایک لونڈی مانگی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو لونڈی دے دوں اور اہل صفّہ بھوکے رہیں، ان کے خرچ کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان اسیر ان جنگ کو بدلے ان کی قیمت اہل صفّہ پر خرچ کروں گا۔(۴۰)

نسلی تعصب کے خاتمے کے لئے نبی کریم ﷺ نے انصار اور مہاجرین میں مواخات قائم کی۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آپس میں بھائی بنا دیا اور یہ رشتہ اس حد تک پختہ ثابت ہوا کہ ایک ماں کے پیٹ اور ایک باپ کی صلب سے پیدا ہونے والے سگے بھائیوں کے تعلقات بھی اس سے ہیچ تھے۔(۴۱)

انصار اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد کے لئے اپنی زمینیں، مکانات اور باغات تک کی تقسیم عمل میں لا رہے ہیں اور جہاں ان کا پسینہ گرتا ہے وہاں وہ اپنا خون گرانے لئے تیار تھے۔(۴۲)

عہد نبوی ﷺ کے ابتدائی معاشرے میں خاندانی اور نسلی تعصب کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا اور اسلام کا تعلق ہر قسم کے رشتوں پر غالب آگیا۔ چنانچہ جنگ بدر میں سیدنا ابو عبیدہؓ بن الجراح نے اپنے والد کو قتل کر دیا۔(۴۳) سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے سگے ماموں عاص بن ہشام کو تہہ تیغ کر دیا۔(۴۴) اور جنگ احد میں سیدنا مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی کو فی النّار کیا۔(۴۵)

غزوۂ بدر ہی کے دن عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، جنگ کے لئے مبارز مانگا تو خود سیدنا ابو بکر صدیقؓ تلوار سونت کر مقابلے کے لئے کھڑے ہو گئے، لیکن حضور اکرم ﷺ نے اجازت نہ دی۔(۴۶)

نصلی اور نسبی تعلقات اس حد تک بے معنی ہو کر رہ گئے کہ جنگ بدر کے خاتمے پر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو سیدنا عمر τ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ان کو ہمارے حوالے کر دیں، تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں، مثلاً عقیل کو علی τ کے حوالے کر دیں اور میرے فلاں رشتے دار کو میرے حوالے کر دیں۔ مگر رحمۃ للعالمین ﷺ نے سیدنا ابو بکر τ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے انہیں فدیہ کے عوض رہا کر دینے کا فیصلہ فرمایا۔(۴۷)

فتح مکہ کے دن سیدنا عباسؓ، ابو سفیانؓ کو (جو اب تک ایمان نہ لائے تھے) اپنے پیچھے خچر پر سوار کر کے رسولؐ کی خدمت لائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں؟ سیدنا ابن عباسؓ نے گزارش کی اے اللہ کے رسولؐ! میں ابو سفیان کو پناہ دے چکا ہوں۔ سیدنا عمرؓ نے اصرار کیا تو جناب عباسؓ کہنے لگے: اے ابن خطاب! اگر ابو سفیان قبیلہ بنی عدی میں سے ہوتے تو آپؓ ایسا نہ کہتے، اس پر سیدنا عمرؓ نے کہا اے عباسؓ! جس دن آپؓ اسلام لائے تھے آپؓ کا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام سے (اگر وہ اسلام لاتے زیادہ محبوب تھا، کیوں کہ آپؓ کا اسلام رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب تھا)۔(۴۸)

اسلام سے قبل ساری دنیا میں انسانوں کو غلام بنالینے کا عام رواج تھا۔ خصوصاً عورتیں جو نوع انسانی کا مظلوم ترین طبقہ ہیں کی حالت خاص طور پر قابلِ رحم تھی، انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح منڈیوں میں فروخت کیا جاتا اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اسلام نے ان کی عزت نفس کو بحال کیا اور ایسے قوانین وضع کئے، جن پر عمل کے نتیجے میں رفتہ رفتہ دنیا بھر سے غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔

اسلام نے کفارات میں جابجا غلام آزاد کرنا واجب قرار دیا اور معاشرتی زندگی میں غلاموں اور کمزوروں کے حقوق کا خیال رکھا گیا۔ ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں ہم اپنے عبد کے ضرب کر رہا تھا ہم نے عقب سے یہ صدا سنا، خبردار! کہ تم کو جس قدر اختیار اس غلام پر ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو تم پر ہے، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پیغمبرؐ تھے۔ اس نے التماس کی: اے رسولِ خدا! میں نے اسے رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو نارِ جہنم تمہیں جلاتی۔(۴۹)

سیدنا عبد اللہ بن عمر راوی ہے کسی آدمی نے رسول پاک ﷺ سے معلوم کیا یا رسولؐ! میں نے غلام کو کئی بار معاف کر دیا؟ آپ نے حکم دیا روزانہ بے شمار بار عفو کیا کرو۔(۵۰) صحیح البخاری کتاب الادب میں ہے سیدنا انسؓ دس سال تک نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں رہے۔ اس تمام عرصے میں آپ انہیں کبھی اف نہیں کہا، نہ یوں فرمایا کہ فلاں کام کیا کیوں؟(۵۱)

سلطنت کے مفتوحات و محاصل کو دنیا کے بادشاہوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی ملک سمجھا اور اپنے ذاتی و خاندانی عیش و آرام کے سوا ان کا کوئی دوسرا مصرف ان کے نزدیک نہ تھا، لیکن آپ ﷺ اس کو اپنا نہیں بلکہ بااختلاف شرائط عام مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا، اور کبھی اس کو اپنے شخصی تصرف میں نہیں لائے۔(۵۲) آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں نہ کچھ روک سکتا ہوں، میں فقط خازن ہو جس موقع پر کام کا مجھے حکم وہی کرتا ہے" (۵۳)
دوسرے موقع پر فرمایا: "میں تو صرف بانٹنے والا ہوں دینے والا تو اللہ ہے" (۵۴)
اسی طرح نشست میں بھی آپ ﷺ نے تفوق و برتری کے امتیاز کو اس قدر مٹایا کہ مجلس کے اندر آپ ﷺ میں اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ جب صحابہ Ψ کی مجلس میں بیٹھتے تو باہر سے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا کہ محمد ﷺ کون ہیں ؟لوگ اشارے سے بتاتے۔
صحابہ کرامؓ نے چاہا کہ کم از کم ایک چبوترہ ہی بنا دیا جائے، جس پر آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں، مگر اسے بھی آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ (۵۵)
اس وقت کی شاہانہ حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون کی زد سے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے، مگر یہاں یہ حال تھا کہ ہر قانونِ الٰہی کی تعمیل کا اصل نمونہ اس کا رسول ﷺ اور اہلِ بیتؓ رسول تھے اور اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اگر نعوذ باللہ اہل بیتؓ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو تو ان کے لیے دوہری سزا ہے۔ (۵۶) جیسا کہ کتب تاریخ وسیرت اور حدیث میں مذکور مشہور واقعہ ہے کہ قریش کی ایک معزز خاتون نے چوری کی اور کچھ لوگوں کے کہنے پر حضرت اسامہ بن زید τ نے نبی کریم ﷺ سے سفارش کی تو آپ ﷺ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: اگر پیغمبرؐ کی صاحب زادی فاطمہ نے بھی سرقہ کا ارتکاب کرے میں اس کے بھی دست قطع کر دیتا۔ (۵۷)
ایک موقع پر آپ ﷺ صحابہ Ψ کو مال تقسیم فرما رہے تھے، ایک آدمی آیا اور حرص کے مارے آنحضرت ﷺ کے اوپر ٹوٹ پڑا، آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی، آپ ﷺ نے اس سے کونچ دیا، جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر نشان آگیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو اسی وقت
فرمایا کہ: "آؤ اور مجھ سے قصاص لے لو۔" (۵۸)
ایک بار ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دی جس پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "ڈرو نہیں، میں تو ایسی عورت کا بیٹا ہوں، جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔" (۵۹)
اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمر فاروق τ نے ایک واقعہ میں گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے محمد بن عمرو کو مدینہ طلب کر کے بر سرِ عام رودادِ مقدمہ سنی، مظلوم مصری کے ہاتھ سے محمد بن عمرو کو کوڑے لگوائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی کوڑے لگانے کی اجازت دی، جن کی گورنری کی وجہ سے بیٹے کو ایک شہری پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت ہوئی۔ مگر فریادی نے کہا: "امیر المومنین میں نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اس موقع پر حضرت عمر τ نے عمرو τ بن العاص کو مخاطب کر کے یہ تاریخی جملہ کہا: "اے عمروؓ! تم لوگوں نے انسانوں کو کب سے اپنا غلام بنالیا؟ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا"۔ (۶۰)
"حضرت حسن بصری α سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر τ سے کہا: اے عمر! اللہ سے ڈر، اور اس جملہ کو بار بار دہرایا۔ ایک دوسرے شخص نے اس کو ٹوکا کہ اب بس بھی کرو بہت ہو چکا۔ حضرت عمر τ نے فرمایا ان کو کہنے دو، اگر یہ ہم کو یہ باتیں نہ کہیں تو ان میں کوئی خوبی نہیں اور اگر ہم ان کی یہ نصیحت قبول نہ کریں تو ہم میں کوئی خوبی نہیں ہے"۔ (۶۱) یہ الفاظ انسانی آزادی اور حق و تنقید اور محاسبے کا سب سے بڑا چارٹر ہیں۔
سعید بن مسّیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی ذات سے بدلہ لینے کا حق دیا تھا، خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق τ نے بھی ایکشخص کو اپنی ذات سے بدلہ دیا تھا اور حضرت عمر τ نے بھی حضرت سعد τ کو اپنی ذات سے بدلہ دیا تھا۔ (۶۲) اور حضرت عثمان τ بھی اسی بات کی تلقین کیا کرتے تھے۔ (۶۳)
خلفائے راشدین کے عہد میں مثالی یکجہتی، نظم وضبط اور انسانی مساوات کا یہ عالم تھا کہ حاکم و محکوم سب کے لئے قانون یکساں تھا۔ ایک دفعہ حضرت علی τ کے دورِ خلافت میں حضرت علی τ کی زرّہ چوری ہوئی تو انہوں نے ایک یہودی کے خلاف باقاعدہ قاضی شہر کے پاس مقدمہ دائر کیا، لیکن جب امیر المؤمنین کی پیش کردہ شہادتیں قاضی شہر نے قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو صبر کے ساتھ اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے۔ (۶۴)

ایک فلاحی ومثالی معاشرے کی تشکیل میں مساجد کا کردار:

تعارفِ مسجد:

یہ حقیقت ہے کہ مذہب کے تربیتی و تعمیری ایجنڈے کے لئے ایک مرکز کی حیثیت بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن و سنت نے اس مرکز کو مسجد کا نام دیا گیا۔ دینِ فطرت نے انسان اور معاشرہ کے تربیت، تعلیم، مسلمانانِ عالم کو آپس میں مستحکم کرنے، ان کے اجتماعیت بر قرار کرنے اور ان کی باہم ربط دائم و استحکام کے لئے ایک بہترین انداز میں منظم کیا گیا، جسے اصطلاحاً "مسجد" کہا جاتا ہے۔

ابن منظور نے لسان العرب میں مسجد کے تحت مختلف اقوال دیئے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک مسجد جیم کے زیر کے ساتھ ہے اور بعض اسے مسجد جیم کے زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ مسجدبفتح الجیم "محراب البیوت" کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ سیبویہ کا خیال ہے کہ یہ مکان کا نام ہے، اور اسم ہے، اسے فعل یفعل کے وزن پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں کے ہاں یہ لفظ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ زجاج نے مسجد کے معنی یہ بیان کئے ہیں:

کل موضع یعبدفیہ فھومسجدقال النبیﷺجعلت لی الأرض طھوراً ومسجداً(٦٥)

ہر وہ جگہ جہاں عبادت ہوتی ہے وہ مسجد ہے، نبی ﷺ نے فرمایاز مین میرے لئے مسجد اور طاہر بنائی گئی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار کہتا ہے کہ مسجد کا لفظ یہودیوں کے ہاں بھی مستعمل تھا۔ مقالہ نگار کے خیال میں یہ لفظ اسلام سے پہلے عبادت گاہوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ البخاری کی کتاب الصلوۃ میں حبشہ کے گرجا کو مسجد کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں مسجد کو عام عبادت گاہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔(٦٦)

قرآن حکیم میں مسجد کا لفظ عبادت گاہ کے لئے مستعمل ہوا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُمْ بِبَعْضٍ لَّہُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْہَا اسْمُ اللّٰہِ كَثِيْرًا ۰ۭ(٦٧)

ترجمہ:("اور اگر اللہ لوگوں کے ایک جماعت کو دوسرے کے ذریعے خانقاہیں اور کلیسا اور گاہیں اور مساجد جس میں خدا کا زیادہ تر سے یاد کیا جاتا ہے، تمام کو ختم کردی جاتیں۔")

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا(٦٨) اور یہ کہ: سجدے تو تمام تر اللہ ہی کا حق ہیں۔ اس لیے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔

قرآن کریم میں مسجد کی اصطلاح کو مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ اور مسلمانوں کی خالصتاً عبادات کے زمرے میں مقرر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِہٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا)(٦٩)

("عظیم ہے وہ رب (ذات) پیغمبرؑ کو لیل ہی یارات مسجدِ (حرام) سے مسجدِ (اقصی) تلک لیکر گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکات کی نزول کیاہیں، اس لئے ہم انہیں اپنی کچھ علامات دکھائیں۔ بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔")

رواداری، اتحاد و اتفاق کے فروغ اور معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں مساجد کی اہمیت:

مسجد اسلامی نظامِ اجتماعیت میں ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسجد ایک طرف اللہ کے عبادات اور حصولِ قربت کا مقام، تو دوسری جانب معاشرہ کے دینی، اخلاقیات اور روحانیت اصلاح کرنے اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور اسے اسلامی اقدار پر قائم کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو مسلمانوں کو رنگ، نسل، قبیلہ، حسب و نسب اور ذات پات کی حد بندیوں سے بالاتر رکھتے ہوئے صرف ایمان کو بنیاد تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک ہی سطح پر لے آتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسجد ایک ایسی درسگاہ ہے جہاں یہ درس دیا جاتا ہے کہ سب انسان اولادِ آدم υ ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں اور عملاً رنگ، نسل، قوم، زبان اور علاقہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ سب لوگ اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز کئے بغیر انسانی برادری کے ایک جیسے رکن ہیں۔

مساجد کا یہ کردار قرونِ اوّل میں پوری طرح جاری و ساری رہا، چنانچہ اس دور میں مسلمانوں کے تمام معاملات مسجد ہی میں سر انجام دیئے جاتے تھے۔

مسجد کی یہ حیثیت حضور اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر صدیوں بعد تک قائم رہی۔ اسلام کے مثالی دور میں مسجد عدل و انصاف کا مرکز بھی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ خلفاء راشدین ψ اور اس دور کے تمام حکام مسجد ہی میں بیٹھ کر عدل گستری کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ تعلیم و تعلم کا سلسلہ مسجد نبویؐ میں صفّہ سے شروع ہوا، جو صدیوں تک ہر مسجد کے ساتھ قائم رہا، بلکہ کسی قدر آج تک قائم و دائم ہے۔ مسلمانوں کے قدیم ترین ادارے جامعہ ازہر، جامعہ زیتون اور جامعہ قروین مسجدوں میں قائم ہوئے اور مسجدوں میں انہوں نے ترقی و ارتقاء کے جملہ مراحل طے

کئے۔ مسلمانوں نے اپنے مثالی دور میں جتنے شہر اور بستیاں آباد کیں، ان میں مسجد کو مرکزیت حاصل رہی۔ چنانچہ کوفہ، بصرہ اور قیروان وغیرہ کی بنیادیں جب ڈالی گئیں تو ان کے نقشے میں مسجدوں کو مرکزی مقام دیا گیا۔(۷۰)
نبی رحمت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں مسجد کو مرکزی حیثیت دے رکھی تھی اور آپ ﷺ کے ہر کام میں مسجد کا عمل دخل بہت واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی طویل تمدنی معاشرتی زندگی میں مساجد کی حیثیت مسلم ہے، گوکہ اب مسلمانوں کے ہاں مسجد کی وہ تاریخی حیثیت برقرار نہیں رہی، تاہم مسلمانوں کی پوری زندگی پر اس کی گہری چھاپ ہے۔

مسجد کی امتیازی خصوصیات و کردار:

اسلامی معاشرے میں مساوات، رواداری، اتحاد و اتفاق اور سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل میں مسجد مختلف اعتبار سے مرکزی کردار کی حامل رہی ہے۔ 1 مذہبی و روحانی، تعلیمی مرکز ان تمام امور میں مسجد کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔

مدارس، علم و عرفان کی درسگاہیں: معاشرے کی نشوونما اور یکجہتی میں مدارس کا کردار:

انسان اپنی حیاتِ اجتماعیہ کا لئے جو نسے علمی مراکز کو مضبوط کیا، ان میں تعلیم کا ادارہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ حضور اقدس ﷺ تاریخ میں منفرد تحریک تعلیم کے شروع کرنے والے ہیں۔ آنجناب ﷺ مکتب اور جامعہ کی ادارتی ہے۔ مکتب مسلم باہمی ادارات میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اسکول اس مقام کو کہا جاتا ہے جن میں تعلیم، لکھنا پڑھنا دیا جاتا ہے، کسی معاشرے کے اجتماعی شعور، اس کی یکجہتی اور انفرادی تشخص کے ارتقاء کا دارومدار زیادہ تر مکتب و مدرسہ پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنے تعلیمی نظام اور درسگاہوں کی عظمت پر بہت زور دیتی ہے۔ مکتب اور مدرسہ میں چونکہ بنیادی چیز علم ہے اس لئے ہم سب سے پہلے علم کا اسلامی تصور واضح کرتے ہیں۔(۷۱)

معاشرے کی اصلاح اور اتحاد و اتفاق قائم کرنے میں مدارس کا کردار: ایک جائزہ:

مدارس ہماری اسلامی تاریخ میں وہ شاندار روایات ہیں جنہوں نے عظیم دینی علمی، تحقیقی، تعلیمی، معاشرتی اور دعوت و تبلیغ کی خدمات سرانجام دی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں تو ان کا کردار اور نمایاں ہے، اور اس خطے میں نامساعد حالات کے باوجود بھی ان کی یہ خدمات جاری و ساری ہیں، جن کے فیض سے ایک عالم مستفیض ہو تا رہا ہے، یہ ہمارے اسلاف اور علماء و مشائخ عظام کا آہنی عزم و ایمان اور عوام الناس کی غالب اکثریت کی جو دین اسلام سے سچی محبت و عقیدت اور وابستگی ہے کہ یہ دینی نظام جاری و ساری رہے جنہوں نے عالمِ اسلام کو کئی نابغہ روزگار ہستیاں فراہم کی ہیں، جو ملک و ملت کے لئے ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کے علم سے ایک عالم فیضیاب ہو رہا ہے۔ آج دینی مدارس اور درس گاہیں دنیا بھر کی اعلیٰ دانش گاہوں، اداروں، لابیوں اور میڈیا سینٹرز کا موضوع بحث ہیں، اور معاشرے میں انتہائی دشوار عمل یہ بھی ہے کہ دنیا کی بیشتر قوتیں مدارس کے نظام کو سمجھے اور جانے بغیر انہیں ختم کرنا پر تلی ہوئی ہیں۔ اکثریت کو یہ علم ہی نہیں کہ سینکڑوں برس سے جلنے والے یہ علمی چراغ و سرمایہ افتخار ہیں، جنہوں نے رواداری اور اتحاد و اتفاق کی فضاء کو قائم کرتے ہوئے دنیا کا سب سے بڑا سماجی بھلائی کا نظام قائم کر رکھا ہے۔ یہ مدارس و اہل مدارس ملک و ملت سے وفادار ہیں اور بے لوث سفارت کاری کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔
ہمارے دینی مدارس وہ غیر سرکاری تنظیمیں ہیں جو سماجی خدمت اور تعلیم و تعلمِ دین کے مواقع بہم پہنچا رہے ہیں۔ بیشتر دارالعلوم اور دینی مدارس طلباء کو طعام و قیام کی سہولت فراہم کرتے ہیں، اور یوں وہ رواداری، باہمی تعاون اور اتحاد و اتفاق کو فروغ بھی دے رہے ہیں۔ لہٰذا قابلِ قدر ہیں، دینی مدارس کو چلانے والے علماء و مشائخ جو ان دینی مدارس کو قائم کرتے ہیں، ان کا نظم و نسق سنبھالتے ہیں اور وہ صاحب حیثیت اور مخیّر حضرات جو ان کے لئے مالیات فراہم کرنے میں تعاون کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سابق صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے ان مدارس کو بہترین این۔جی۔او قرار دیا ہے۔
اب ہم ایک دوسرے زاویئے / نکتہ نظر سے مدارس کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں، مدارس کو ہمارے ہاں دو عنوانات کے تحت موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔ ایک بطور تعلیمی روایت اور دوسرا مسلمانوں کے سیاسی احیاء میں انکا حصہ، تعلیمی روایت کی حیثیت سے، اس کا تنقیدی جائزہ کم ہی سامنے آسکا۔(۷۲) دوسرے حوالے سے البتہ بعض اہم تحقیقی کام سامنے آیا ہے۔ تاہم اس مطالعہ کو زیادہ تر نوآبادیاتی دور تک محدود رکھا گیا، جب ہندوستان میں مسلم احیاء کے لئے سماجی، سیاسی اور عسکری تحریکیں شروع ہوئیں۔ تو اہلِ علم نے زیادہ تر ان تحریکوں کے ساتھ مدارس کے تعلق اور ان سے وابستہ ایسی شخصیات کو موضوع بنایا جو ان تحریکوں میں سرگرم رہیں۔ اس مطالعے کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے۔ تاہم مدارس کے موجودہ کردار کی تفہیم میں اس کی اہمیت جزوی ہے۔(۷۳)
تقسیم ہند کے بعد مدارس کی زیادہ تر سرگرمیاں تعلیمی تھیں۔ اس عرصے میں مدارس نے خود کو علوم اسلامیہ کی اس رایت کے تحفظ تک محدود رکھا

جو نسل در نسل منتقل ہوتی آئی ہے۔ اسی وجہ سے انہیں عام طور پر نقلی علوم کہا جاتا ہے۔(۷۴)

مدارس ہماری سیاسی و سماجی فضاء کو متاثر کرتے رہے ہیں، تاریخ شاہد ہے مدارس سے وابستہ شخصیات برصغیر میں برپا ہونے والی ہر سیاسی و عسکری تحریک کا حصہ رہی ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد مدارس سے وابستہ شخصیات نے انفرادی سطح پر مؤثر سیاسی کردار ادا کیا۔ تاہم مدارس کو فی الجملہ سیاسی عمل سے دور رکھا گیا۔ تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مدارس کی سماجی قوت کو بالواسطہ طور پر سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا۔(۷۵)

اگر ہم اس وقت وطن عزیز پاکستان کی بات کریں تو پاکستان میں اس وقت پانچ طرح کے دینی مدارس موجود ہیں، جن کی نمائندگی مندرہ ذیل پانچ تنظیمیں کرتی ہیں: 1 وفاق المدارس العربیہ (دیوبندی مکتب فکر کے مدارس کی تنظیم)، 2 تنظیم المدارس اہل سنت (بریلوی مکتب فکر کے مدارس کی تنظیم)، 3 رابطۃ المدارس العربیہ (جماعت اسلامی سے وابستہ مدارس کی تنظیم)، 4 وفاق المدارس السّلفیہ (اہل حدیث مدارس کی تنظیم)، 5 وفاق المدارس الشیعہ (شیعہ مدارس کی تنظیم)۔ ان مدارس کی تعداد کم و بیش ۳۵ ہزار سے زائد ہے۔ جن میں ۳۰ لاکھ سے زیادہ طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان میں سے تقریباً ۲۵ ہزار مدارس وفاق المدارس العربیہ سے وابستہ ہیں۔ باقی مدارس دیگر مختلف تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ البتہ مختلف مکاتب فکر کے ایسے کئی سو مدارس موجود ہیں جو ان میں سے کسی تنظیم سے وابستہ نہیں ہیں۔ حفظ و تجوید کے مدارس نیز ابتدائی سطح کے مکتب اور مدرسے ان کے علاوہ ہیں۔

علاوہ ازیں وفاقی سطح پر ایک مدرسہ بورڈ قائم ہے۔ بورڈ کے چیئرمین کے مطابق اس بورڈ سے الحاق کے لئے ۶۵۰ مدارس نے درخواست دے رکھی ہے۔ بعض صوبائی حکومتیں بھی صوبائی سطح کے مدرسہ بورڈ قائم کرنے کے لئے اقدامات کر رہی ہیں، البتہ سرکاری سطح پر ایسے تمام اقدامات ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں۔(۷۶)

مذہبی مدارس چونکہ فرقے کی بنیاد پر قائم ہیں اس لئے ان کے ہاں نصاب کے بعض اجزاء کا مختلف ہونا ایک فطری امر ہے۔ مسئلہ فقط نصابی اجزاء کے اختلافی پہلوؤں کا نہیں بلکہ ایک خاص مکتب فکر سے متعلق مدرسے کی فضا ایک خاص طرح کے ذہن کو پروان چڑھانے میں اپنا کردار مسلسل ادا کر رہی ہوتی ہے۔ ان مدارس میں پڑھایا جانے والا نصاب عام طور پر کہنہ اور قدیمی ہے۔ کتابوں کی عبارتیں بھی قدیمی اور مشکل انداز کی حامل ہیں۔ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی یہ مدارس اپنے نصاب میں خاطر خواہ تبدیلی نہ لاسکے، بلکہ تعلیم و تدریس کے نئے اسلوب اور نئے تجربات کی روشنی میں اپنے مضامین پر جدید کتب بھی ترتیب نہ دے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی مدارس کے فارغ التحصیلان اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے مابین فکری و عملی اعتبار سے فاصلے بڑھتے چلے گئے۔(۷۷)

مذہبی نصاب کی خامیوں اور کمیوں کو دور کرنے کے لئے معاشرے کے مختلف طبقوں کی طرف سے اظہار خیال ہوتا رہا ہے۔ مختلف ادوار میں حکومتوں نے بھی اس کمی کا احساس کیا اور مذہبی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی کوششیں کیں۔ خود بہت سے مذہبی علماء نے بھی اس کا احساس کیا، اس پر اظہار خیال کیا اور اس کے بارے میں مقالے لکھے، لیکن ان سب کوششوں کا اثر بہت سست رفتاری سے دیکھنے میں آیا۔

ابن الحسن عباسی، مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رائے کو ایک جامع اور جاندار تبصرے کے عنوان سے نقل کرتے ہیں۔

"عربی مدارس کے نصابِ تعلیم کی تجدید و ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے، اس لئے نہیں کہ وہ اپنے زمانے میں کافی نہ تھا یا صحیح استعمال پیدا کرنے سے قاصر تھا، بلکہ علوم جدیدہ یا معلومات عامہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے، وقت کے تقاضے بدل گئے، طبیعتوں کے سانچے بدل گئے، اذواق و افکار میں فرق آگیا۔(۷۸)

ان مدارس سے فارغ التحصیلان، دیگر شعبوں کے علاوہ مساجد کی امامت کا بھی رخ کرتے ہیں، مسجدوں سے ان کی شعلہ بیانیاں رنگ لاتی ہیں اور مساجد فرقوں میں بٹتی چلی جاتیں ہیں اور معاشرہ تقسیم میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے یا پہلے سے موجود تقسیم مزید گہری ہو جاتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس محض مساجد کے لئے امام، خطیب، نکاح خواں، مناظر، مفتی اور مدرس پیدا کر رہے ہیں۔ معاشرے میں زندگی کے دھارے میں جو کردار اور کارکن درکار اور مطلوب ہوتے ہیں، دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء وہ مطلوبہ کردار اور مطلوبہ کارگزاری فراہم کرنے سے قاصر ہیں۔(۷۹)

اسلام کے عطاء کئے گئے اجتماعی نظام زندگی اور معاشرے اور ملک و ملت کے ایک کارآمد اور فعال رکن بننے کے لیے دینی مدارس کے ارباب اختیار کو اپنے نظام تعلیم اور نصابِ تعلیم کو اس طرح مرتب کرنا ہوگا کہ دینی مدارس سے بہرہ مند ہونے والے ایک جانب اسلام کا ایک نظام زندگی کی حیثیت سے ماہرانہ مطالعہ رکھتے ہوں، اور دوسری طرف جدید علوم و ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان پر پورا میدان کھلا رہے۔ وہ کسی بھی علم یا ہنر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکیں۔ روزگار کے مواقع کے عمومی بہاؤ میں شامل و شریک ہو کر اپنا حصہ ادا اور وصول کرسکیں۔(۸۰)

مگر اب حالات بدل رہے ہیں اور یہ خوش آئند بات ہے کہ اب ہمارے مدارس میں جدید عصری علوم کی تعلیم کی طرف توجہ دے رہے ہیں، اور اس پر کافی بہتر کام بھی ہو رہا ہے، جس کی ایک مثال جامعۃ الرشید کراچی بھی ہے، دوسری اہم بات ہمارے دینی مدارس کو وقت کے تقاضوں اور آنے والے دور کا احساس بیدار ہو رہا ہے، اگرچہ اِس کی رفتار سست ہے، مگر یہ ہمارے قومی مزاج کا حصہ ہے، اس میں کچھ دشواریاں ہیں مگر امید ہے اس میں مزید بہتری آئے گی۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ بلاشبہ مدارس میں قیام کہ بہت اچھے انتظامات نہیں ہیں، وہاں زندگی کی بنیادی سہولیات بھی کم ہیں، تعلیم بھی ایک قدیم زاویہ سے دی جاتی ہے، جس کی شاید آج کی دنیا میں وہ افادیت نہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل ہے۔ مگر ان مدارس کی وجہ سے لاکھوں بچے اور بچیاں بھوکے نہیں سوتے، وہ اجتماعی خودکشیاں نہیں کرتے، وہ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ دنیاوی سہولتیں شاید ان کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ انہیں جنت میں ملیں گی، جو غربت کے جہنم کی تپش کو کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر کلیدی کام آج بھی یہی معتوب مدارس ہی کر رہے ہیں جس کے پیچھے تمام لوگ لٹھ لے کر پڑے ہوئے ہیں۔

غیر متعصبانہ اور منصفانہ جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ماضی میں ان مدارس کا دہشت گردی، مذہبی منافرت، انتہاپسندی، شدت پسندی سے تعلق نہیں تھا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس امر کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا، کہ چند افراد رواداری کے برعکس جذبات رکھتے ہوں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہیں۔ یاد رہے مدارس کی بھاری اور غالب اکثریت اس میں شامل نہیں۔

صرف دو سے پانچ فیصد درسگاہوں کے بچے اس جھانسے میں آئے اور بدقسمتی سے یہ برین واشنگ جو آج بھی ہمارے سامنے ایک بدنما داغ کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پاکستانی فوج اور خفیہ ادارے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ یہ دہشت گرد اندرونی طور پر ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ دنیا کی کئی خفیہ ایجنسیاں پاکستان کو برباد کرنے کے کھیل میں شامل تھیں، اور آج بھی ہیں، مگر یہ صرف عسکری ادارے ہیں جنہوں نے انہیں ناکامی سے دوچار کیا ہوا ہے۔ آج صورتحال پھر بھی مختلف ہے۔ دہشت گرد جس منظم طریقے سے وجود میں لائے گئے تھے، آج اسی منظّم طریقے سے ان کی بیخ کنی کی جارہی ہے۔

مدارس کی طرف آتا ہوں، پورے ملک میں ہزاروں کی تعداد میں ہر مکتبہ فکر کے مدارس موجود ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ان میں سے کتنے فیصد دہشت گردی کا منبع ہیں۔ پہلے عرض کرچکا ہوں کہ یہ چند فیصد سے زیادہ نہیں، جن مدارس کا دہشتگردی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق ثابت ہو جائے ان کا احتساب ہونا چاہئے۔ جن فرقہ پرست اور نام نہاد جہادی قوتوں نے معصوم بچوں کو اس راہ پر لگایا ان کو بھی قانون کے کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہئے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ مگر کیا تمام مدارس کو بلا تفریق برا بھلا کہنا، انصاف ہے؟ کیا ان تمام کو کٹہرے میں کھڑا کر کے معتوب قرار دینا مناسب ہے، اس طالبعلم کی دانست میں ہمیں بہت احتیاط کرنی چاہئے۔

مدارس میں کئی طرح کی نقائص ہونگے ان میں اکثریت شدید مسائل کا شکار ہیں، مگر کیا ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، یا ان مدارس کو صفحہ ہستی سے ہی مٹا دینا چاہئے۔ مدارس کو اصلاح کی ضرورت ہے، مگر یہ کام صاحب اختیار، صاحب اقتدار (حکومت) اور صاحب دانش وثروت، کو ایک متحارب فریق بن کر نہیں بلکہ ایک رفیق کی حیثیت سے سرانجام دینا چاہئے تاکہ اس کے معاشرے پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں۔

مسالک کے درمیان اتحاد واتفاق بین المذاہب رواداری وتعلقات میں صوفیاء وخانقاہوں کا کردار:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صوفیائے کرام نے اپنے علم و فضل، تقویٰ وپرہیزگاری، ہمت و استقامت اور انتھک جدوجہد سے اس کرۂ ارض کے مختلف خطوں میں خصوصاً برصغیر پاک وہند میں تعلیمات نبوی ﷺ کی آفاقی تعلیمات کی قندیلیں اور اسلام کی آبیاری کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔

بزرگان دین اور مرشدانِ امت کو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کہتے ہیں اور ایسے مستقل مراکز کو خانقاہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے گویا سیوطیؒ نے خانقاہ اور مدرسہ کو ایک ہی مضوع ہے، تاہم ان کا الگ تشخص قائم رہا، صلاح الدین ایوبیؒ نے ۵۶۹ھ میں ''دارا السعد السعداء'' بنائی جس میں کم وبیش چار سو صوفی رہتے تھے۔ (۸۱)

تاریخ اسلام میں افراد انسانی کی باقاعدہ اخلاقی وروحانی تربیت، اتحاد و اتفاق اور کردار سازی اور تعمیر انسانیت کے مقدس کام کا آغاز عہدِ رسالت میں مکہ مکرمہ کے ''دارِ ارقم'' اور مدینہ منوّرہ سے مسجد نبوی ﷺ میں اصحاب صفّہ کے تربیتی ادارے کی صورت میں ہوا تھا۔ عہد صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں یہ فریضہ صوفیائے کرام کی زیر نگرانی ''خانقاہی نظام'' نے سرانجام دیا۔ اس نظام کے زیرِ اثر امت مسلمہ کو

ہر دور میں جنیدؒ و بایزیدؒ، جیلانیؒ و غزالیؒ، رومیؒ، جامیؒ، ہجویریؒ اور سہروردیؒ و سرہندیؒ، شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسے نابغہ روزگار میسّر آتے رہے، جنہوں نے اسلام کے دور زوال میں بھی امت کے عروق مردہ میں نہ صرف نئی روح پھونکی بلکہ اسے احیاء و تجدید اور وحدت و یک جہتی کی نئی راہیں دکھائیں۔(۸۲)

لیکن یہ بات ریاکار صوفیاء خام یا جاہل و مغرور شعبدہ بازوں پر صادق نہیں آتی، یہ بات پیشہ ور موروثی ہوس کاروں کی بھی نہیں جو بقول علامہ اقبالؒ "زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن" کی تصویر بنے پھرتے ہیں اور اسلامی تصوف کے لئے بدنامی اور حق پرست صوفیاء عظام سے لوگوں کو بیزار و متنفر کرنے میں لگے ہیں۔ اسلامی تصوف کے منکرین و ناقدین تصویر کا یہی ایک رخ دیکھ کر فتوے داغتے اور رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکاروں کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہی وہ طبقہ یا جماعت ہے جس نے اسوۂ مصطفیٰ ﷺ کو روزِ اوّل کی طرح زندہ و پائندہ رکھا ہوا ہے۔(۸۳)

مزید براں ہمارے بعض مفکرین نے اسباب زوال امت پر بحث کرتے ہوئے تصوف کو اس طرح آڑے ہاتھوں لیا ہے کہ تصوف کے مثبت عناصر ذہنوں کے اوراق سے محو ہو کر رہ گئے ہیں۔(۴) امت مسلمہ کے دورِ اواخر میں مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی زوال کے نتیجے میں صوفیاء کرامؒ کی اخلاقی و روحانی تحریک کا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا۔ اس کی رسم تو مسخ شدہ صورت میں باقی رہ گئی، لیکن اس کی روح اور انقلابی اثر انگیزی باقی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کے بیشتر رہنماؤں میں وہ اخلاقی جرأت، روحانی ولولہ اور صدق و اخلاص مفقود ہو گیا جو احوال زمانہ کا رخ بدلنے کے لئے ضروری ہے۔(۸۴)

بہر کیف اسلامی تاریخ میں خانقاہوں اور صوفیائے کرام کا کردار کا یہ جوہر امت کی تقویت کا باعث بنا رہا ہے، اور اس نے امت کی روحانی، اخلاقی اور اعتقادی عمارت کو صدیوں محکم رکھا اور اہل سیاست و ارباب اقتدار کی جملہ انتشار خیز سرگرمیوں کے باوصف امت کے قلوب کو متحد رکھا۔

خانقاہوں یا تصوف کا کردار زوالِ امت نہ تھا بلکہ وہ تو ایک قوت بخش عنصر تھا، جو امت کے اجتماعی زوال کے سیلِ بے رواں کی زد میں آ گیا۔

اگر کسی چیز کا ماضی اچھا تھا اور حال خراب ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ چیز خود اپنی ذات میں خراب نہیں، بلکہ انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھوں خراب ہوئی۔

جب ہم حضرات الصوفیہ کے احوال و سوانح دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ وہ سارے کے سارے چوٹی کے عالم تھے۔ زبان و ادب، تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول و معاملات میں طاق تھے۔ ان میں کے کثیر التعداد اصحاب اپنے اپنے عہد اور علاقہ کے شیخ الاسلام تھے، اور وفات کے بعد بھی ہمیشہ اسی خطاب سے یاد کئے جاتے رہے۔ ان صوفیہ کی تعداد بھی کم نہیں، جن کے نام کا سابقہ "قاضی" تھا۔(۸۵)

یہ بزرگ اپنی ذات میں مکمل ایک ادارہ تھے۔ ان کی خانقاہیں ظاہری یونیورسٹیاں تھیں اور تہذیب و اخلاق اور تزکیہء نفس کی بہترین درس گاہیں اور تربیت گاہیں بھی تھیں۔ مؤرخین اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اسلام کی ترویج و اشاعت کا کام اس جذبے، درد اور خلوص سے کیا کہ ان کے دور کی حیران اور سرگرداں مخلوق اُن کی خانقاہوں میں آکر اطمنان و سکون حاصل کرتی تھی۔(۸۶)

یہی نہیں کہ یہ لوگ قرآن و حدیث، زبان و ادب وغیرہ کے ماہر، عالم، متقی اور فقیہ تھے، بلکہ ان میں ایک کثیر تعداد ان کی بھی تھی جو باضابطہ راہ خدا میں جہاد بالسیف بھی کرتے رہے۔ مثال کے طور پر حضرت سفیان الثوریؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، مالک بن دیناؒ، شفیق البلخیؒ، حاتم اصمؒ، ابراہیم بن ادھمؒ، معروف الکرخیؒ، نجم الدین کبریٰ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ یہ سینکڑوں بزرگوں میں سے بعض کا ذکر ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو دنیائے تصوف میں ائمہ کہلاتے ہیں۔ انہوں نے جو طریق مقرر کر دیا، اس میں اساسی تبدیل صدیوں تک رونما نہ ہوئی۔ یہ لوگ طریقت و شریعت کے جامع تھے۔(۸۷)

حضورِ اکرمؐ کے ان سچے پیروکار صوفیا کرامؒ کے نزدیک طریقت سے مراد تزکیہء نفوس کا وہی نبوی طریقہ ہے جو مکہ مکرمہ کے "دارِ ارقم" اور مدینہ منورہ کے "صفّہ" مسجد نبوی ﷺ میں کارفرما تھا۔ اس لئے تصوف و طریقت دراصل سنت نبوی ﷺ کی پیروی کا دوسرا نام ہے اور طریقت کو شریعت سے کوئی الگ چیز قرار دینے والے یا تو صوفیاء خام ہیں اور یا محض ریاکار و شعبدہ باز، اور اسی لئے حضرت سید ابو الحسن علی بن عثمان ہجویریؒ عزم بالجزم کے ساتھ یہ اعلان فرماتے ہیں کہ جو طریقت یا، کلامِ الٰہی اور نبیؐ کے طریقے سے باہر ہے وہ باطل ہے، افتراء ہے، اس لئے مسترد ہے۔(۸۸)

("لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ‌ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ")(۸۹)

ترجمہ:"(درحقیقت خدا نے مسلمانوں پر بڑا کرم کیا ان میں ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کو رب کی کلام کی تلاوت فرمائے، ان کو صاف و پاک

بنائے اور ان کو کلامِ حکمت کا درس دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔")

هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ(۹۰)

ترجمہ:("وہی (اللہ) ہے جس نے امیؐ (ان پڑھ) لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔")

ان آیات کی رُو سے درج ذیل چار امور مقصود و مطلوب قرار پائے۔ 1 تلاوتِ آیات، 2 تزکیہء نفس، 3 تعلیم کتاب، 4 تعلیم حکمت۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیائے کرام o ''مخلوقِ خدا'' کو جہاں اعمالِ ظاہریہ کی تلقین کرتے تھے وہاں نفوس کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہی نفس کا تزکیہ تصوف کا مطمع نظر اور اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اور تصوف کے درمیان کسی قسم کا تضاد نہیں۔ بلکہ صوفیاء کرامؒ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ تکمیل شریعت ہی کا نام تصوف و طریقت ہے۔(۹۱)

چونکہ تصوف تزکیہء نفس کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے ہم کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلامی معاشرہ اپنے وجود و ارتقاء، اخوّت و بھائی چارگی اور ترقی کے لئے خانقاہوں اور تصوف کا محتاج ہے۔(۹۲)

سرکار دو جہاں ﷺ نے ہجرت مدینہ کے وقت ہی اعلان فرما دیا تھا کہ عمل کا اعتبار نیت اور مقاصد سے وابستہ ہے: ''انما الاعمال بالنیات''(۹۳) ان کی ظاہری صورت سے نہیں ہے۔ نیت کا خالص کرنا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا سنوارنا ہی طریقت کا موضوع ہے۔

اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں تحریر ہے کہ "وہ شخص جس نے علمی طور پر سب سے پہلے تصوف کی تعلیم دینے کا انتظام کیا تھا وہ ابو ہاشمؒ (۱۵۰ھ) اور حضرت ذوالنون مصریؒ ہیں"۔(۹۴) اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علمی طور پر دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تصوف کی بنیاد پڑ چکی تھی۔(۹۵)

تصوف کے بارے میں حضرت کتانی α کا قول ہے کہ تصوف اخلاقِ حسنہ کا نام ہے۔(۹۶) حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی α (م ۹۷۳ھ) کا ارشاد ہے: ''تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے، علمِ تصوف چشمہء شریعت سے نکلی ہوئی نہر ہے''۔(۹۷)

صوفیاء کرامؒ کا عقیدہ تو یہ ہے: جو طریقت، شریعت کے خلاف ہے وہ کفر ہے اور جس حقیقت پر کتاب اللہ و سنت گواہ نہیں وہ الحاد و زندقہ ہے۔(۹۸)

حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ کا قول ہے کہ تصوف چھ چیزوں پر مشتمل ہے: 1 قرآن پر پوری طرح عمل کرنا، 2 سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا، 3 حلال کھانا، 4 ممنوعات سے بچنا، 5 مخلوق کو نہ ستانا خواہ مخلوق اسے تکلیف ہی کیوں نہ پہنچائے، 6 دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں جلدی کرنا۔(۹۹)

صوفیائے کرام کے عمل و کردار کے ذریعے اسلام کا پیغام برصغیر، اشیائے کوچک، مغرب اقصیٰ اور مشرق بعید کے ممالک تک جا پہنچا۔ قریب کے زمانے میں وسط ایشیاء کے مسلم علاقوں میں مسلمانوں پر جبری پابندیاں عائد رہیں، لیکن جوں ہی سویت یونین روس کا شیرازہ بکھرا اور یہ ممالک آزاد ہوئے تو ان ممالک میں اسلامی جوش و جذبے کی وہی لہر پھر ابھر آئی، مسلمانوں میں ملی یکجہتی اور اسلامی تشخص کی اس بقاء کی بڑی وجہ ان ممالک میں صوفیاء کا کردار ہے۔

تصوف کے چار بڑے سلسلے ہیں نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ اور اسے حسن اتفاق کہئے کہ ان چاروں کے بانیوں کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق شمالی ایران اور ایشیائے کوچک کے ممالک ہی سے ہے۔ خصوصاً نقشبندیہ کے اثرات ان ممالک میں بہت گہرے ہیں۔ اس خطے کی سب سے بڑی مزاحمتی تحریک کے روح رواں امام شاملؒ کا تعلق اسی سلسلے سے تھا۔ کمیونسٹوں نے مسلمانوں کے سروں کو تو جھکا لیا، لیکن ان کے دلوں کو وہ جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکے، کیونکہ انہیں صوفیائے کرام کی روحانی تعلیمات نے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ سمرقند و بخارا کے علمی اور روحانی مراکز نے ایسے چراغ روشن کئے جن کو کفر و شرک کی تیز آندھیاں بھی بجھا نہ سکیں۔ اس کے برعکس ہسپانیہ میں تقریباً آٹھ صدیوں تک حکومت کرنے کے باوجود آج وہاں ایک مسلمان بھی نظر نہیں آتا، تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں صوفیہ کا کردار بہت کم رہا۔ ہسپانیہ نے بڑے بڑے علماء، فلاسفر، سپہ سالار اور حکمراں تو پیدا کئے مگر صوفیہ کا کوئی معروف سلسلہ وہاں جاری نہ ہو سکا۔ اگرچہ شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی α کا تعلق ہسپانیہ سے تھا، مگر انہوں نے تصوف کو فلسفہ کے رنگ میں پیش کیا، ویسے بھی وہ اڑتیس سال کی عمر میں ہسپانیہ سے چلے آئے اور باقی تمام عمر بلاد شرقیہ ہی میں گزار دی اور دمشق میں دفن ہوئے۔(۱۰۰)

ان بزرگانِ دین نے دنیا کے مختلف خطوں میں اپنے مخصوص طرزِ فکر، تعلیم اور تبلیغ سے علاقے کے لوگوں کی بڑی رہنمائی فرمائی۔ یہاں

تک کہ عوام سلاطین ہندوراجاؤں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو اپنی تعلیم و تبلیغ سے بے حد متاثر کیا۔ معاشرے میں خانقاہوں اور صوفیائے عظام مثبت کردار کی، مذکورہ بحث کو غور سے ملاحظہ کرنے کے بعد درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔1 ان صوفیاء کرام کے طریقہ ءدعوت سے دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اپنی اخلاقی قدروں اور پاکیزہ تعلیمات سے پھیلا،2صوفیائے عظام کے اوصاف و کردار بلند ہونے کی بنا پر نہ صرف اسلام تیزی سے پھیلا بلکہ معاشرے میں اتحاد و اتفاق اور بھائی چارگی کی فضاء بھی قائم ہوئی، 3صوفیائے کرام تبلیغ و تلقین اور تجارت کی غرض سے مختلف علاقوں میں پہنچ کر پاکیزہ اور مثبت اثرات مرتب کرتے رہے ہیں، جو معاشرے میں خوشگوار تبدیلی کا سبب بنے، 4وہ مقامی لوگوں میں بڑی محبت رکھتے تھے اور اُن کے دکھ درد میں شرید ہوتے تھے، 5بزرگان دین کی تعلیمات و اثرات سے وہاں کی معیشت و معاشرت پر خصوصی اثرات مرتب ہوئے اور عوام النّاس میں خصوصاً وحدت واخوّت پیدا ہوئی۔ جبکہ اس سے پہلے معاشرہ منقسم اور ذات پات میں تقسیم تھا، 6بزرگانِ دین نے ان علاقوں میں عوام کے لئے مدرسے، مساجد، کنوئیں، سڑکیں، خانقاہیں، لنگر خانے اور مسافروں کے لئے سرائے اور تالاب بنوائے، اور زمین کو آباد کرایا اور تجارت سے فائدہ پہنچایا۔ نیز تاریخی حوالوں سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے(۱۰۱)

اسلام نہ صرف مکمل ضابطہ ءحیات بلکہ امن و سلامتی کا دین ہے، اور اس کے عطا کردہ تصورِ فلاح و بہبود صرف نظریہ وعقیدہ تک محدود نہیں، بلکہ عملاً ایک جامع نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک اسلامی سوسائٹی میں اسلامی فلاحی ریاست کو معاشرے کی ذمہ داریوں سے نہ صرف یہ کہ مبرا قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ مملکت معاشرتی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا ذمہ دار ادارہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات ہدایت میں اتحاد و اتفاق، مساوات اور اجتماعیت کی روح ہمیں بڑے واضح طور پر روبہ عمل نظر آتی ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کے لئے قرآن کریم کی عطا کردہ ہدایات کی روشنی میں ایسا نظام وضع کرنا ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے جس میں فلاح و بہبود اور کفالتِ عامہ بطور ایک خیر، نیکی یا ایک انفرادی عمل کے نہیں بلکہ ایک نظام اجتماعیت کے طور پر سامنے آئے، جس سے اخوّت ویگانگت اور ملکی یکجہتی سے سرشار ایسے اسلامی فلاحی معاشرے کی تشکیل و تعمیر ہو سکے جہاں نااتفاقی، بدنظمی، انتشار اور فرقہ واریت سمیت ہر قسم کے نسلی ولسانی اور علاقائی و گروہی تعصبات کی کوئی گنجائش نہ ہو اور احترام آدمیت، مساوات اور رواداری کی فضا کو فروغ حاصل ہو۔ نہ صرف یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے بلکہ اسلامی فلاحی مملکت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے کردار کو کلیدی و مرکزی حیثیت حاصل ہے بلاشبہ مساجد، مدارس اور خانقاہیں دورِ جدید میں بھی بین المسالک، اتحاد واتفاق، مذاہب کے درمیان رواداری پر مبنی پرامن تعلقات کے قیام میں آج بھی بھرپور مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس حوالے سے اسلام کے فلسفۂ امن وسلامتی اور مذہبی روادای کے تصور کو پیش نظر رکھا جائے۔

خلاصۂ بحث:

عصرحاضر میں امت مسلمہ کو کئی چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس کی بنیادی اور اہم ترین وجہ جہاں ہماری زندگی میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے دوری اور اس کے احکامات سے روگردانی ہے وہیں زندگی کے ہر شعبے میں من حیث القوم اتحاد و اتفاق کا فقدان بھی ہے۔ آج نسلی ولسانی تفاخر، علاقائی و گروہی تعصبات، فرقہ پرستی اور انتشار وافتراق کے بگولوں میں قوم فاران کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ آج ہمارے اتحاد اور اتفاق اور اخوّت ویگانگت کی لڑی ٹوٹ چکی ہے۔ موتی بکھر گئے ہیں۔ امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال، افتراق وانتشار اور اختلافِ امت کا "وحدت ملتِ اسلامیہ" کے نسخہ کیمیا سے شافی علاج ممکن ہے، کیونکہ کٹی پھٹی اور بکھری امت کا کوئی مستقبل نہیں۔ جو کبھی ایک تھی اور اب مختلف اقوام کا مجموعہ اور گروہوں کی شکل اختیار کرچکے ہیں۔ اسلام وحدت اور استحکام کا دین ہے، یہ محض تصوراتی بات نہیں۔ چشم فلک نے گاہے گاہے مسلمانوں کو فکر و عمل کے اتحاد کے ساتھ کامیاب زندگی گزارتے دیکھا ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ کو اتحاد و یکجہتی ہم اس وقت نازک دور سے گزر رہے ہیں، آنکھیں بند کرلینے سے مسائل حل نہیں ہوں گے اور نہ ہی ہمیں مایوس ہونے کی کہ مسلمان اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرلیں اور اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئیں۔ لہٰذا موجودہ چیلنجز اور اُن کے اثرات سے نمٹنے، اسلام کی نشاۃ الثانیہ، اسلامی اقدار کے تحفظ، دین مبین کی سربلندی، ترویج و اشاعت کے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت کو تھام لیں قرآن کریم کی تعلیمات، سیرت طیبہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرزِ حیات کو مشعل راہ بنالیں۔ کیونکہ قرآن وسنت ہمارے لیے ابدی ضابطہ ءحیات اور دائمی ورلڈ آرڈر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے اس کی تعلیمات ہمیں تحمل وبرداشت، صبر وضبط، رواداری اور اتحادواتفاق کا درس دیتی ہے بلاشبہ مثالی اسلامی معاشرے میں مساجد، مدارس اور صوفیائے کرام سے وابستہ خانقاہیں ہماری تعلیم وتربیت کا ایک مؤثر ذریعہ اور مثالی ادارہ کی حیثیت رکھتی ہے دورِ جدید میں جہاں ہمیں بے شمار مسائل وچیلنجز کا سامنا ہے ایسے میں مساجد، مدارس اور خانقاہیں اسلامی معاشرے میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے، ہم آہنگی، امن وسلامتی کے قیام مختلف

مسالک کے درمیان اتحاد و یک جہتی اور بین المذاہب رواداری کے فروغ اور پر امن تعلقات کے لئے دعوت فکر و عمل دیتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے اس کردار کو مؤثر بنایا جائے، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور سیرتِ طیبہ کو مشعل راہ بنا کر ہی ہم رواداری و ہم آہنگی کو قائم کر سکتے ہیں۔

تجاویز و سفارشات:

۱. بین المسالک اخوّت و یگانگت پر مبنی ایک اسلامی فلاحی مملکت کے قیام، مثالی اسلامی معاشرے کی تشکیل اور امتِ مسلمہ میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور بین المذاہب رواداری و پر امن تعلقات کے قیام کے لئے نظام تعلیم کی اسلامائزیشن کی جائے۔

۲. تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ کے ساتھ ساتھ اِن اداروں کو فعال بنانے، نئے مراکز قائم کرنے اسلامی تربیت گاہوں کی سرپرستی کرنے، نیز ایسے رجال فکر تیار کرنے کی واداریضرورت ہے جو اسلام کی حمایت و مدافعت کے لئے جدید علوم و ٹیکنالوجی سے بھی لیس ہوں۔ اور اس ضمن میں بلند پایہ ء علمی و تحقیقی لٹریچر تیار کرنا بھی وقت کی ضرورت ہے۔

۳. معاشرے سے نفرت و کدورت، بغض و عناد دور کرنے، اسلام مخالف پروپیگنڈے کے رد اور مغربی فکر و فلسفہ کی فتنہ انگیزیوں سے مسلمانوں کے اندر جو ذہنی اور عملی بغاوت پھیل رہی ہے، اس کی روک تھام کے لئے مؤثر تدارک کرنے کی ہر سطح پر کوشش کی جائے۔ نیز برداشت و رواداری کو فروغ دیا جائے۔

۴. مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ، اسلامی معاشرے کی تشکیل، اسلامی نظام و حکومت کے قیام اور اسلامی فکر کے احیا کے لئے مفصل علمی اور فنی انداز میں پروگرام وضع کیا جائے اور جہد مسلسل کے ساتھ وسائل کو بھرپور طور پر استعمال کیا جائے۔

۵. ہر مسلک کے مطالعے کے لئے ان کے نزدیک مستند لٹریچر اور ذمے دار علماء سے رجوع کرنے، مناظرانہ، مدافعانہ اور جارحانہ طرزِ گفتگو کے بجائے مفاہمانہ اور مکالمہ کا طرز اختیار کرنے کی ضرورت ہے، نیز دوسرے کو اختلافی رائے رکھنے کا حق اور اس کو اپنا نقطہ ء نظر پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ کسی مسلک یا قوم کے بارے میں ایسی کوئی بات منسوب نہ کی جائے جو فتنہ و فساد اور نااتفاقی کا سبب بنے اور جو آپ کسی عدالت میں یا روزِ آخرت اللہ تعالیٰ کے حضور ثابت نہ کر سکیں، تاکہ ملی یکجہتی پر مبنی ایک صحت مند معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔

۶. معاشرے میں انتشار اور فرقہ ورانہ تشدد کا بغور جائزہ لینے سے اس کے مراحل سمجھ میں آتے ہیں، جو فرقوں کی بنیاد پر تقسیم سے شروع ہو کر سماجی فاصلے، سماجی تفریق، منافرت، مخصوص طبقات کی ریاستی و سیاسی سرپرستی، مخالف کو جینے کے حق کا انکار سے ہوتا ہوا فرقہ ورانہ قتل و غارت تک پہنچ جاتے ہیں۔ فرقہ ورانہ تشدد کو روکنے کے لئے عمل درآمد کے مرحلہ پر کام کرنے والے کردار کو سزا دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ پہلے مرحلے پر ہی اس کی روک تھام کے لئے سنجیدہ حکمت عملی بنانی ہوگی، اور ایسے اقدامات کرنے ہوں گے جس سے انتشار و فرقہ واریت کے زہر آلود پھل کے ساتھ اس کا تنا، اس کی جڑ اور اس کی بیج کا بھی خاتمہ ہو۔ اس کے لئے مساجد، مدارس اور خانقاہ کا کردار ایک ناگزیر تقاضا ہے۔

۷. ہمارے معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی و امن کے لئے فرقہ پرستی ایک خطرناک زہر ہے۔ معاشرے کو اس زہر کے اثرات سے پاک کرنے اور مختلف مسالک کے درمیان اتحاد و یکجہتی اور بین المذاہب مذہبی رواداری اور پر امن تعلقات کے لئے ان اداروں کو اپنا ہمہ جہت کردار ادا کرنے سے ہی پر امن اسلامی معاشرہ قائم ہوگا اور دنیا کو یہ پیغام پہنچے گا کہ اسلام ایک پر امن اور امن و سلامتی پر مبنی دین ہے جس کا دہشت گردی اور عدم برداشت سے کوئی تعلق نہیں۔

۸. ہر قسم کے سیاسی، علاقائی، گروہی، مسلکی و فروعی اختلاف و تعصبات کے خاتمے امن و امان کے حقیقی قیام و دوام اور قومی سالمیت و یکجہتی کے لیے تمام دینی و سیاسی جماعتوں، اداروں اور عوام کو اپنا موثر کردار ادا کرنا چاہیے۔

۹. اپنا نظریہ و نصب العین، اہداف کی تکمیل اور اپنے معاملات و مصالح کی مضبوط شیرازہ بندی کے لئے پوری ملت اسلامیہ کا اتحاد وقت کی اہم اور ناگزیر ضرورت ہے۔ لہٰذا ہمیں "بنیان مرصوص" کی طرح مضبوط اور متحد ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنا ہوگا۔

حواشی و مصادر

۱ سورہ آل عمران، آیت ۱۹

1 Surah Al-Imran, verse 19

2 سورہ بقرہ، آیت ۲۵۶

2 Surah Baqarah, verse 256

۳ ابن ہشام، ”السیرۃ النبویہ “ دارالمعرفۃ بیروت لبنان، ۱۹۹۹ء ۱/ ۱۴۷

3 Ibn Hisham, “Al-Sirah Al Nabawiyyah Dar ul merafh, Beirut Lebnaon ,1999,vol 1” p. 147

۴ القطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکر، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۶ء ۱/ ۲۸۱

4 Al-Qastlani, Ahmad bin Muhammad bin Abi Bakr, Arshad al-Sari in Sharh Sahih al-Bukhari, Dar al-Kitab al-Ulamiyyah2006,vol.1 p. 281

۵ بحوالہ: کوثر نیاز، مولانا، اسلام ہمارا دین، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۱۳۳

5 With reference to: Kausarniaz, Maulana, Islam is our religion, Feroze Sons, Lahore, 1972, p. 133

۶ سورہ الحجرات، آیت ۱۳

6 Surah Hujarat, verse 13

۷ سورہ آل عمران، آیت ۶۴

7 Surah Al-Imran, verse 64

۸ سورہ الانبیاء، آیت ۹۲

8 Surah al-Anbiya, verse 92

۹ بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من التحاسد، ۱۰۵۹، مسند احمد، ج ۱، ص ۴۳، ۴۵، ۴۷، ج ۲، ص ۱۵۶، مسلم کتاب البر والصلہ، باب التحاسد والتباغض، ۱۱۲۲، ابو داؤد، کتاب الادب باب فی ھجرۃ الرجل اخاہ، ۶۹۲

9 Bukhari, Kitab al-Adab, chapter Maithi min al-Tahasad, 1059, Musnad Ahmad, vol. 1, pp. 43, 45, 47, vol. 2, p. 156, Muslim Kitab Al-Barro al-Sala, chapter al-Tahasad wa al-Tabaghz, 1122, Abu Dawud, Kitab al-Adab, chapter fi Hijrat al-Ralq Akha, 692

۱۰ صاحب زادہ ساجد الرحمن، ڈاکٹر، اسوۂ رسول اور ملی یکجہتی، تعمیر افکار، اشاعت مطالعہ سیرت اور عصر حاضر، جلد ۱، شمارہ ۹۔ ۱۰، اکتوبر، ۲۰۱۲ء، ص ۴۰۷

10 Sahibzadeh Sajid Rahman, Dr., Iswat Rasool Omali Yokheti, Construction of Thoughts, Publication of Study of Biography and Contemporary History, Volume 1, Issue 9-10, October, 2012, p. 407

۱۱ ابو داؤ، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب ما یقول اذ سلم الرجل، ص ۲۲۳

11Abu Dawud, Sulaiman bin Ash'ath, Sunan Abi Dawud, Kitab Al-Witr, Chapter May Qul Az Salam al-Argal, p. 223

۱۲ صحیح مسلم، نیشاپوری مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری ج ۲/ ۳۲۱، کتاب البر والصلہ، رقم حدیث: ۲۵۸۵

12 Neshapuri Muslim bin Hajjaj bin Muslim Qsuhairi Sahih Muslim, Volume 2/321, Kitab al-Albar wal Salah, Number of Hadith: 2585

۱۳ بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۳

13Bukhari, Abu Abdullah Muhammad bin Ismail Sahih Al-Bukhari, Volume 2, Kitab al-Iman, Number 13 of Hadith

۱۴الف۔ صحیح البخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب لایظلم المسلم المسلم والایسمہ

14 A. Sahih al-Bukhari, Chapters of oppression and al-Qisas, Chapter Laizlam al-Muslim al-Muslim and al-Isma

۱۵ سورہ الحجرات، آیت ۱۰

15 Surah Hujarat, verse 10

۱۶ القرآن سورہ، آیت 06

16 Al-Qur'an Surah, Verse

۱۷ قزوینی, ابن ماجہ، ابن ماجہ ابو عبداللہ محمد بن یزید کتاب الفتن، باب السواد اعظم، ص ۵۷۶

17 Qazvini ,Ibn Majah, Abu Abdullah Muhammad bin Yazid ,Kitab Al-Fattan, Chapter Al-Sawad-e-Azam, p. 576

۱۸ مشکوۃ المصابیح، باب وفات النبی ﷺ

18 Mishkwat al-Masabih, Chapter Death of the Prophet ﷺ

۱۹ حولہ سابقہ، سلیمان ندویؒ، سید، سیرۃ النبی ﷺ، الفیصل ناشران، لاہور، ج ۷، ص ۴۶

19 Howla previous, Sulaiman Nadwi, Syed, Seerat-ul-Nabi ,ﷺAl-Faisal Publishers, Lahore, vol.7, p.46

۲۰ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۵، کتاب الخراج والامارۃ

20 Abu Dawud, Vol. 2, p. 15, Kitab al-Kharaj Walamarat

۲۱ حولہ سابقہ، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، ج ۷، ص ۴۶

21 Hawlah previous, Sayyed Sulaiman Nadwi, Seerah al-Nabi, p. 46

۲۲ حوالہ سابقہ، سیرۃ النبی ﷺ، ج ۷، ص ۴۴

22 The previous reference, Sirat al-Nabi ,ﷺvol. 7, p. 44

۲۳ محمد بن اسماعیل البخاری / الجامع الصحیح، باب کراہۃ الشفاعۃ فی الحدود

23 Muhammad bin Ismail al-Bukhari/Al-Jama'i al-Sahih, Chapter of the Qur'an of Intercession in the Limits

۲۴ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف، ج ۴، ص ۱۱۴

24 Sahih Muslim, Kitab Al-Hudood, Chapter Al-Qatal al-Sarq al-Sharif, Vol. 4, p. 114

۲۵ ابوداؤد السجستانی / السنن، کتاب الحدود ج ۲، ص ۵۷

25 Abu Dawud al-Sajistani/Al-Sunan, Kitab al-Hudood vol.2, p.57

۲۶ حوالہ سابقہ، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ج ۷، ص ۴۵

26 The previous reference, Syed Sulaiman Nadwi, Seerat-ul-Nabi ,ﷺLahore, Al-Faisal Publishers and Tajran Books, Vol. 7, p. 45

۲۷ حوالہ، طنطحاوی، عمرو بن خطابؓ، مترجم عبد الصمد صدام، لاہور، مطبوعہ البیان، ۱۹۷۱ء

27 Reference, Tantahawi, Amr bin Khattab, translated by Abdul Samad Saddam, Lahore, Al Bayan, 1971.

۲۸ ابویوسف قاضی، کتاب الخراج، مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، کراچی، مطبوعہ چراغ راہ، ۱۹۶۶ء، ص ۷

28 Abu Yusuf Qazi, Kitab Al-Kharaj, Mujjam Muhammad Najatullah Siddiqui, Karachi, Chirag Rah, 1966, p.7

۲۹ المصنف العبد الرزاق، ص ۷۶۵، ومثلہ فی ابی داؤد فی الدریات، باب قود بالضربۃ وقص الامیر من نفسہ

29 Al-Musnaf al-Abd al-Razzaq, p. 765, and Muthla fi Abi Dawud fi al-Diriyat, Chapter Qud Bal Zarbah and Qas al-Amirman Nafsa.

۳۰ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۸۳، بحوالہ ابن ابی داؤد ابن عساکر

30 Kinzal-Amal, Vol. 13, p. 83, with reference to Ibn Abi Dawud Ibn Asaqir

۳۱ سید اسعد گیلانی، اسلامی ریاست میں حکام کے اوصاف، تصوّر ریاستِ اسلامی، مقالاتِ مزاکرۂ ملی تعلیمات نبوی ﷺ، ۱۴۰۴ ہجری، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی، ص ۲۹۷

31 Syed Asad Gilani, Attributes of Authorities in the Islamic State, Conception of the Islamic State, Articles of Discussion of the National Teachings of the Prophet ١٤٠٤ ,ﷺHijri, Hamdard Foundation Press Karachi, p. 297

۳۲ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، ج ۱، ص ۱۹۹

32 Sahih Muslim, Kitab al-Salaat, vol.1, p.199

۳۳ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مقالہ مسجد، بحوالہ سابقہ اسلام کا معاشر تینظام، خالد علوی، ڈاکٹر، الفیصل ناشران وکتب، لاہور ۲۰۰۵ء، ص ۲۲۵

33 Encyclopaedia of Islam, Essay on Masjid, Regarding the Social System of Earlier Islam, Khalid Alavi, Dr., Al-Faisal Publishers and Books, Lahore, 2005, p. 225

۳۴ سورہ الحج، آیت ۴۰

34 Surah Hajj, verse 40

۳۵ سورہ الجن، آیت ۱۸

35 Surah al-Jin, verse 18

۳۶ سورہ بنیاسرائیل، آیت ۱

36 Surah Banyasrail, verse 1

۳۷ امیر الدین مہر، تعمیر معاشرے میں مسجد کا کردار، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۹

37 Amiruddin Mehr, Role of Mosque in Building Society, Dawah Academy, Islamabad, 2008, p.9

۳۸ ایضاً، ص ۳۱

38 Also, p.31

۳۹ ابن الحسن عباس، دینی مدارس، ص ۹۳، بحوالہ میری علمی ومطالعاتی زندگی، ص ۹۴، ۱۰۳

39 Ibn al-Hasan Abbas, Religious Schools, p. 93, with reference to my scholarly and academic life, p. 94, 103

۴۰ فائزہ احسان صدیقی، پروفیسر، تعلیم الفائزون، رب پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۷۷

40 Faiza Ehsan Siddiqui, Professor, Education for Winners, Rab Publishers, Karachi, 2007, p.77

۴۱ محولہ سابقہ، تعلیم الفائزون، ص ۷۸

41 Al-Mawala al-Maqir, Shiqeel Al-Afazeon, p. 78

۴۲ حوالہ سابقہ: خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۲۸۳

42 Reference earlier: Khalid Alavi, Dr., Social System of Islam, p. 283

۴۳ طاہر القادری، ڈاکٹر، فرقہ پرستی کا خاتمہ کیوں کر ممکن ہو، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۱۷۔ ۷۲

43 Tahir-ul-Qadri, Doctor, Why is it possible to end sectarianism, Lahore, Minhaj-ul-Quran Publications, 2014, p. 17. 72

۴۴ ظہور احمد ناصر، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار، صوفیاء کرامؒ، مجلہ معارفِ اولیاء، اشاعت خصوصی تصوف اور روحِ اسلام، جلد شمارہ ۳، ۲۰۰۸ء، لاہور، محکمہ مذہبی امور او قاف، ص ۲۳

44 Zahoor Ahmad Nasir, Dr., True Followers of the Messenger of Allah ﷺ, Sufis, Majla Maarif-e-Awliya, Special Publication of Sufism and Spirit of Islam, Volume No. 3, 2008, Lahore, Department of Religious Affairs, Awqaf, p. 23

۴۵ حوالہ سابقہ، فرقہ پرستی کا خاتمہ کیوں کر ممکن ہو، ص ۷۱، ۷۲

45 Reference previous, Why it is possible to end sectarianism, pp. 71, 72

۴۶ حوالہ سابقہ، الامانت سے الامیں تک، ص ۷۲

46 Cited earlier, From Alamant to Alamat, p. 72

۴۷ محمد سعید، ڈاکٹر، افکارِ سعید، شعبہ ادب و ثقافت، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۲۲

47 Muhammad Saeed, Dr., Afkar-i Saeed, Department of Literature and Culture, Karachi, 2007, p. 122

۴۸ حوالہ سابقہ، الامانت سے الامیں تک، ص ۷۸

48 Ibid., From Al-Amant to Al-Ma, p. 78

۴۹ حوالہ سابقہ، ظہور احمد ناصر، ڈاکٹر، مجلہ معارف اولیاء تصوف اور روحِ اسلام خصوصی، ص ۲۴

49 The previous reference, Zahoor Ahmad Nasir, Dr., Magazine of Maarif Uliya Suf and Rooh Islam Special, p. 24

۵۰ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۴

50 Surah Al-Imran, verse 164

۵۱ سورہ جمعہ، آیت ۲

51 Surah Juma, verse 2

۵۲ طاہر رضا بخاری، ڈاکٹر، تصوف منشائے شریعت کی تکمیل، معارف اولیاء، لاہور، محکمہ مذہبی امور، اوقاف، ۲۰۰۸، ص ۱۰۸

52 Tahir Raza Bukhari, Dr. Sufism, Fulfilling the Origins of Shariat, Maarif Auliya, Lahore, Department of Religious Affairs, Awqaf, 2008, p.108

۵۳ طاہر القادری، ڈاکٹر، تعلیمات اسلام، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۲۲۳

53 Tahir-ul-Qadri, Dr., Teachings of Islam, Lahore, Minhaj-ul-Quran Publications, 2003, p.223

۵۴ ابوالحسن ابن الحجاج القشیری، امام، صحیح مسلم، تاحقیق محمد فواد عبد الباقی، طبع اوّل، دراحیاء الکتب العربیہ، مصر، ۱۳۷۴ھ۔ ج ۶، ص ۴۸، کتاب الامارہ، السخاوی، شمس الدین محمد بن عبد الرحمنؒ، المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشھرۃ علی الأسنۃ، طبعہ اوّل، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ص ۶۸

54 Abul Hasan Ibn Al-Hajjaj al-Qashiri, Imam, Sahih Muslim, Tahqiq Muhammad Fawad Abdul Baqi, first edition, Darahiya al-Kitab al-Arabiya, Misr, 1374 AH, vol.6, p.48, Kitab al-Amara, al-Sakhavi, Shams al-Din Muhammad bin Abd al-Rahman, al-Maqasid al-Hasna fi bayan katheer of many hadiths. Ali al-Asna, first edition, Dar al-Kitab Al-Ilamiya, Beirut, 1979, p. 68.

۵۵ اقبال، علامہ، کلیات اقبال، اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۲ء، ص ۴۲۱

55 Iqbal, Allama, Kilyat Iqbal, Urdu, Lahore, Sheikh Ghulam Ali and Sons, 1992, p.421

۵۶ قاسم محمود، سید، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۵۰۵

56 Qasim Mahmood, Syed, Islamic Encyclopedia, Shehkar Book Foundation, Karachi, 1989, p.505

۵۷ حوالہ سابقہ، افکار سعید، ص ۱۵۳

57 Cited earlier, Afkar Saeed, p. 153

۵۸ ابوالقاسم قشیری، امام، رسالہ قشیریہ، اردو ترجمہ: ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲، ۵۰، ۵۱

58 Abul Qasim Qashiri, Imam, Risala Qashiriya, Urdu translation: Dr. Pir Mohammad Hasan, Institute of Islamic Research, Islamabad, 1988, pp. 12, 50, 51

۵۹ حوالہ سابقہ، محمد اسحاق، ڈاکٹر، کیا تصوّف تصورِ دین ہے، مجلہ معارف اولیاء، لاہور، محکمہ مذہبی امور اوقاف، ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۷

59 The previous reference, Muhammad Ishaq, Dr., Is Sufism a concept of religion, Majla Maarif Awliya, Lahore, Department of Religious Affairs, Awqaf, 2008, p. 117

۶۰ عوارف المعارف، ص ۲۷، بحوالہ سابقہ، مجلہ معارف اولیاء ستمبر ۲۰۰۸ء، ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، ص ۱۰۹

60 Awarif al-Maarif, p. 27, with reference to the previous one, Majla Maarif Auliya September 2008, Dr. Tahir Raza Bukhari, p. 109

۶۱ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات، الحمود اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۰۹

61 Yusuf Salim Chishti, Professor, Non-Islamic Ideas in Islamic Sufism, Al-Humood Academy, Lahore, 1997, p.1109

۶۲ محمد یوسف صابر، پروفیسر، تعمیر افکار مطالعہ سیرت اور عصر حاضر، ص ۵۵۲۔ ۲۵۱

62 Muhammad Yusuf Saber, Professor, Constructing Thoughts, Studying Biography and Modernity, p. 552. 251

۶۳ حوالہ سابقہ، افکار سعید، ص ۱۳۸، ۱۳۹

63 The previous reference, Afkar Saeed, p. 138, 139

۶۴ محمد یوسف، پروفیسر طبقاتی تعلقات اور ان کا حل، تعمیر افکار، مطالعہ سیرت و عصر حاضر، اکتوبر، ۲۰۱۲ء، کراچی، ص ۴۹۱

64 Muhammad Yusuf, Professor Class Relations and their solution, Construction of Thoughts, Study of Biography and Contemporary, October, 2012, Karachi, p. 491

۶۵ مقالات سیرت، ربیع الاوّل، ۱۴۰۸ ہجری، نومبر ۱۹۸۷ء، وفاقی وزارت مذہبی امور اسلام آباد، ص ۱۹۲

65 Articles of Seerat, Rabi-ul-Awal, 1408 Hijri, November 1987, Federal Ministry of Religious Affairs, Islamabad, p. 192

۶۶ سورہ نساء، آیت ۵۹

66 Surah Nisa, verse 59

۶۷ ابوداؤد، سلمان بن الاشعث، السنن، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ

67 Abu Dawud, Salman bin Al-Ash'ath, Sunan, Kitab al-Sunnah, chapter Zum al-Sunnah

۶۸ ایضاً، کتاب الھاد، باب فی القوم مسافرون، یؤمرون احدھم

68 Also, Kitab al-Haad, Chapter Fi-ul-Qoum Musafariun, Yumrun Ahadham

۶۹ سورہ الصف، آیت ۴

69 Surah As-Saf, verse 4

۷۰ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳

70 Surah Al-Imran, verse 103

۷۱ نعیم صدیقی، محسن انسانیت ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۸

71 Naeem Siddiqui, Mohsin Insaniyat ﷺ, Islamic Publications, 1997, p.18

۷۲ م ماہر القادری، بحوالہ: حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ اور رواداری، ص ۱۱

72 Mahir al-Qadri, quoted by: Hafiz Muhammad Sani, Doctor, Rasulullah sallallahu alayhi wasallam and Tolerance, p.11

۷۳ دیدات، شیخ احمد، اسلام نظام زندگی، لاہور، اے۔ آر، نیر شرز، ۲۰۱۰ء، ص ۸۴

73 Deedat, Sheikh Ahmad, Islam Nizam Zindagi, Lahore, AR, Nurshers, 2010, p.84

۷۴ دیدات، شیخ احمد، اسلام نظام زندگی، لاہور، اے۔ آر، نیر شرز، ۲۰۱۰ء، ص ۲۸۹

74 Deedat, Sheikh Ahmad, Islam Nizam Zindagi, Lahore, AR, Nurshers, 2010, p.289.

۷۵ سورہ روم، آیت ۳۲

75 Surah Rum, verse 32

۷۶ سورہ بقرہ، آیت ۱۷۷

76 Surah Baqarah, verse 177

۷۷ سورہ بقرہ، آیت ۱۷۷

77 Surah Baqarah, verse 177

۷۸ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳

78 Surah Al-Imran, verse 103

۷۹ سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳

79 Surah Al-Imran, verse 103

۸۰ سورہ شوریٰ، آیت ۱۳

80 Surah Shura, verse 13

۸۱ سورہ انفال، آیت ۴۶

81 Surah Anfal, verse 46

۸۲ سورہ انفال، آیت ۶۳

82 Surah Anfal, verse 63

۸۳ سورہ الحجرات، آیت ۱۰

83 Surah Hujarat, verse 10

۸۴ سورہ الحجرات، آیت ۱۰۔۹

84 Surah Hujarat, verse 10.9

۸۵ سورہ الحجرات، آیت ۱۰

85 Surah Hujarat, verse 10

۸۶ سورہ فتح، آیت ۲۹

86 Surah Fatah, verse 29

۸۷ سورہ نحل، آیت ۱۵۹

87 Surah Nahl, verse 159

۸۸ سورہ انعام، آیت ۱۵۹

88 Surah Inam, verse 159

۸۹ سوہ آل عمران، آیت ۱۰۵

89 Surah Al-Imran, verse 105

۹۰ سورہ توبہ، آیت ۱۱

90 Surah Towbah, verse 11

۹۱ سورہ البقرہ، آیت ۲۷۳

91 Surah al-Baqarah, verse 273

۹۲ ترمذی، بحوالہ محمد یوسف صابر، پروفیسر، طبقاتی تعصبات اور ان کا حل، تعمیر افکار، مطالعہ سیرت اور عصر حاضر، اکتوبر ۲۰۱۲ء، کراچی، ص ۴۴۵

92 Tirmidhi, quoted by Muhammad Yusuf Saber, Professor, Class Prejudices and their Solution, Construction of Thoughts, Study of Biography and Contemporary, October 2012, Karachi, p. 445

۹۳ حوالہ ترمذی، بحوالہ محمد یوسف صابر، پروفیسر، طبقاتی تعصبات اور ان کا حل، تعمیر افکار، مطالعہ سیرت اور عصر حاضر، اکتوبر ۲۰۱۲ء، کراچی، ص ۴۴۵

93 Reference Tirmidhi, quoted by Muhammad Yusuf Saber, Professor, Class Prejudices and their Solution, Constructing Thoughts, Studying Biography and Modernity, October 2012, Karachi, p. 445

۹۴ کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۳۰

94 Kausar Niazi, Islam Hamara Deen, Firoz Sons, Lahore, 1972, p.230

۹۵ ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ

95 Ibn Hajar al-Asqalani, al-Asaba fi Ma'rifat al-Sahaba

۹۶ سیرت ابن ہشام، بحوالہ سابقہ: مطالعہ سیرت اور عصر حاضر، ص ۴۴۵

96 Seerat Ibn Hisham, cited earlier: Study of Seerat and Contemporary, p. 445

۹۷ حوالہ سابقہ، محمد یوسف صابر، مطالعہ سیرت اور عصر حاضر، ص ۴۴۵

97 Ibid., Muhammad Yusuf Sabir, Study of Biography and Modernity, p. 445

۹۸ ابن البرؒ، علامہ، الاستعیاب فی معرفۃ الصحاب

98 Ibn Al-Albar, Allamah, Al-Istaiyab fi Ma'rifat al-Sahaba

۹۹ محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، باب امداد بالملائکہ فی غزوہ بدر

99 Muhammad bin Ismail Bukhari, Al-Jama'i al-Sahih, chapter on the help of angels in the Battle of Badr

۱۰۰ سنن بیہقی، بحوالہ سابقہ، مقالعہ سیرت اور عصر حاضر، ص ۴۴۶

100 Sunan Beyhaqi, with reference to the former, treatise on biography and modernity, p. 446

۱۰۱ مشکوۃ المصابیح، باب النفقات وحق المملوک

101 Mishkwat Al-Masabih, Chapter Al-Naffat and Right of Mamluk

۱۰۲ صحیح البخاری، کتاب الادب

102 Sahih al-Bukhari, Kitab al-Adab

۱۰۳ خالد، علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء، ص ۳۷۷

103 Khalid, Alvi, Dr., Social System of Islam, Lahore, Al-Faisal Publishers, 2005, p.377

۱۰۴ تفصیل کے لئے دیکھئے: British in Revival Islamic Dely, Barbara Metcalf, Company, 1982, Book Royal Karachi, 1900, Deoband 1860, India.

104 For details see: British in Revival Islamic Dely, Barbara Metcalf, Company, 1982, Book Royal Karachi, 1900, Deoband 1860, India.

۱۰۵ خورشید ندیم، سماج کی سیاسی تشکیل میں دینی مدارس کا کردار، سیاسی تجزیات، اسلام آباد، شمارہ۷۷، اپریل۔جون ۲۰۱۶ء، ص ۳۱

105 Khurshid Nadeem, The role of religious schools in the political formation of society, Political Analysis, Islamabad, Issue 77, April-June 2016, p.31.

۱۰۶ محولہ سابقہ، سیاسی تجزیات، ص ۳۷

106 Mohola ex, Political Analysis, p.37

۱۰۷ ثاقب اکبر فرقہ واریت اور مدارس، سیاسی تجزیات، شمارہ۷۷، اپریل۔جون، ۲۰۱۶ء، ص ۲۹۔۳۰

107 Saqib Akbar Sectarianism and Madrasas, Political Analytics, Issue 77, April-June, 2016, p.29. 30